ناشر: عمر اکادمی نزد مدرسہ نصرۃ العلوم ، نزد گھنٹہ گھر ، گوجرانوالہ

شیعہ پروفیسر غلام صابر کی کتاب وضوء رسول کا مدلل جواب

وضوء کا مسنون طریقہ

تفاسیر و احادیث اور کتب شیعہ کی روشنی میں

حافظ عبدالقدوس خان قارن

کتاب کے کچھ صفحات حاصل نہیں ہو سکے اگر کسی کے پاس ہوں تو ہمیں ای میل کر دیں۔

شکریہ Www.Ahlehaq.COm

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

پیش لفظ

''مورخہ ۲۰۰۴۔۸۔۱۱ بروز بدھ ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر گھر جانے لگا تو پیچھے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ مجھے آپ سے کچھ کام ہے آپ بیٹھ کر میری بات سُن لیں۔ میں نے اس سے کہا کہ ابھی تھوڑی دیر بعد میرا سبق پڑھانے کا وقت ہے بخاری شریف کا سبق ہے اور طلبہ سبق کے لئے حاضر ہو رہے ہیں

''اس لئے فی الحال میں آپ کو زیادہ وقت نہیں دے سکتا اس لئے جو بات آپ کہنا چاہتے ہیں جلدی سے مجھے بتادیں۔ وہ شخص تعلیم یافتہ تھا مگر خاصہ گھبرایا ہوا تھا اس نے وقت ضائع کئے بغیر ایک کتابچہ نکال کر مجھے دیا اور فرمائش کی کہ ہمیں اس کا جواب ضرور چاہیئے اسکی وجہ سے ہم بہت پریشان ہیں اس لئے کہ اس کتاب کو پڑھ کر ''ہمارے بعض دوست غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں اور ہمارے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے شیعہ حضرات ہم پر اعتراضات کرتے ہیں کہ تمہارا تو وضوء ہی درست نہیں تو تمہاری نمازیں کیسے درست ہو سکتی ہیں۔''؟

''میں نے اس صاحب کے سامنے اپنی بیماری، اسباق اور دیگر مصروفیات کیوجہ سے عذر کیا کہ میرے لئے وقت نکالنا مشکل ہوگا اس لئے آپ کسی اور سے رابطہ کریں مگر وہ بہت اصرار کرنے لگا تو میں نے اس سے کتاب لے لی اور کہا کہ فارغ وقت میں اس کا مطالعہ کروں گا۔ اگر واقعی جواب کی ضرورت محسوس ہوئی تو اسکی کوشش کروں گا۔ کتاب دیکر وہ شخص چلا گیا۔''

''مغرب کے بعد میں نے اس کتاب کا مطالعہ شروع کیا تو وہ کتاب شیعہ نظریات رکھنے والے جناب پروفیسر غلام صابر صاحب آف قلعہ دیدار سنگھ کی تحریر تھی ﴿جس کا نام انہوں نے وضوء رسول ﷺ رکھا﴾ اور اس میں انہوں نے اہل السنّت والجماعت کے وضوء کو باطل قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے کتاب کے مطالعہ سے

محسوس ہوا کہ اس کا انداز عوام الناس کو غلط فہمی میں مبتلا کر سکتا ہے

"اس لئے اس کا جواب علماء اہل السنّت کی ذمہ داری بنتا ہے تا کہ وہ مسلمانوں کو وضوء اور نماز سے متعلق اطمینان دلا سکیں کہ بفضلہٖ تعالیٰ وضوء کا وہی طریقہ جو سنی مسلمانوں کا ہے یہی سنت طریقہ ہے اور اسی وضوء سے ادا کی گئی نمازیں اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوں گی۔

"آج کے دور میں مختلف انداز سے مسلمانوں کو ان کے عقائد، اعمال اور تہذیب وتمدن سے دور کرنے کی شیطانی سازشیں ہو رہی ہیں جبکہ مسلمانوں کا بہت بڑا طبقہ دینی معلومات کے بارہ میں بہت کمزور ہو چکا ہے اور اپنے مذہب کا خود دفاع کرنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا ایسے حالات میں اگر علماء بھی اپنی ذمہ داری محسوس نہ کریں اور بروقت مسلمانوں کی راہنمائی نہ کریں اور ان کو غلط فہمیوں سے نکالنے کے انتظامات نہ کریں تو خدشہ ہے کہ سازشی لوگ بہت جلد اپنی سازشوں میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

ان علماء اہل السنّت ہی کی جانب سے فرض کفایہ ادا کرتے ہوئے پروفیسر غلام صابر صاحب کے کتابچہ کا جواب لکھنے کا ارادہ کیا اور ارادہ کرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی بار بار ذہن میں گردش کرنے لگا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا

"فو اللہ لان یھدی بک رجل واحد خیر لک من حمر النعم" ﴿بخاری شریف ص ۴۱۳ جلد ا﴾

پس اللہ کی قسم اگر ایک آدمی کو بھی تیرے ذریعہ سے ہدایت مل جائے تو وہ تیرے لئے سرخ رنگ کے اونٹوں سے بہتر ہے اس فرمان مبارک کے ذہن میں گردش کرنے سے جواب لکھنے کا ارادہ مزید پختہ ہو گیا۔

"اور اپنی بیماری، تدریس اور دیگر مختلف قسم کی مصروفیات کے باوجود اللہ

تعالی پر توکل کرتے ہوئے اس کام کو شروع کیا۔ اللہ تعالے سے دعا ہے کہ اس کو مسلمانوں کے لئے مسنون طریقہ کے مطابق وضوء کرنے کے عمل کو جاری رکھنے کے لئے قلبی اطمینان اور مخالفین کے اعتراضات کے جواب میں بہترین ہتھیار بنائے اور جو عوام الناس اس بارہ میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں ان کے لئے اس جواب کو غلط فہمی سے نکلنے کا ذریعہ بنائے اور احقر، اس کے اساتذہ کرام اور والدین کے لئے نجات کا ذریعہ بنائے آمین یا الٰہ العالمین۔

☆......جواب کی ضرورت......☆

"اس جمہوری دور میں ہر ایک کو اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنے نظریات کے اظہار کا حق ہے اور ہر طبقہ اپنے متعلقین کو اپنے مذہب کے عقائد و احکام سے آگاہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایران کے خمینی انقلاب سے پہلے بھی پاکستان میں شیعہ حضرات کی اپنے مذہب اور نظریہ پر کتابیں شائع ہوتی رہی ہیں۔

اور وہ اپنے حضرات کو اپنے مذہبی مسائل سے آگاہ کرتے رہے ہیں جیسا کہ حافظ بشیر حسین نجفی صاحب کی کتاب توضیح المسائل اور اس طرح کی دیگر کئی کتابیں شائع شدہ ہیں جن میں شیعہ نظریات کے مطابق طہارت و عبادت و معاملات سے متعلق مسائل بیان کئے گئے ہیں مگر ان کے جواب کا کبھی خیال بھی پیدا نہیں ہوا اس لئے کہ انہوں نے اپنے طبقہ کو مسائل بتائے ہیں اور مسلمانوں سے الجھنے کی کوشش نہیں کی۔ ایران کے خمینی انقلاب کے بعد شیعہ حضرات نے اپنا انداز بدلا اور صدیوں سے اپنے مخفی عقائد کے اظہار کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو تنقید کا نشانہ بھی بنانا شروع کر دیا جس کی تازہ ترین مثال پروفیسر غلام صابر صاحب کا کتابچہ وضوء رسول ﷺ ہے

جس میں انہوں نے اہل السنّت والجماعت کے طریقہ وضوء کو بزعم خویش قرآن وسنت کے خلاف اور باطل ثابت کرنیکی کوشش کی ہے اور بالخصوص وضوء میں پاؤں دھونے کے مسئلہ میں جو غلط فہمی پیدا کرنے کا انداز اختیار کیا ہے اس کا جواب ازحد ضروری تھا۔

☆......ہمارا انداز......☆

"ہم نے اپنی اس جوابی کتاب میں پہلے وضوء کا مسنون طریقہ جس پر اہل السنّت والجماعت عمل پیرا ہیں اس کو احادیث کی روشنی میں باحوالہ ذکر کیا ہے اور پھر پروفیسر غلام صابر صاحب نے اہل السنّت پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کے جوابات باحوالہ ذکر کرنے کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رکھی ہے کہ پروفیسر صاحب نے اپنے کتابچہ میں جو اور بھی کئی ایسے مسائل ذکر کئے ہیں۔

جن میں مسلمانوں کو ان سے اختلاف ہے ہم نے ان کو بھی اجاگر کر کے ان کے بارہ میں مسلمانوں کا نظریہ واضح کیا ہے تا کہ قارئین کرام کو معلوم ہو سکے کہ پروفیسر صاحب نے اپنی کتاب میں وضوء سے متعلق جو مسائل بیان کئے ہیں ان کی کتاب میں صرف یہی مسائل ہی نہیں بلکہ اور مسائل بھی ہیں جن سے مسلمانوں کو اختلاف ہے اور ان کا ذکر پروفیسر صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں کیا ہے۔

اس سے ہمارا مقصد ان حضرات کو حقیقت حال سے آگاہ کرنا ہے جو پروفیسر صاحب کی کتاب پڑھ کر غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں یا ان کے غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو گمراہی سے بچائے اور سنت کے مطابق صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا اللہ العالمین

حافظ عبدالقدوس قارن

☆......وضوء کا مسنون طریقہ......☆

﴿١﴾ جس پانی سے وضوء کرنا ہو وہ پانی پاک اور پاک کرنے والا ہونا چاہیے اسلئے کہ جب اس پانی سے طہارت حاصل کرنی ہے تو اس پانی کا پاک اور پاک کرنے والا ہونا ضروری ہے

﴿٢﴾ نیت...... وضوء سے پہلے نیت کرلی چاہیے اور وضوء میں نیت کرنا کم از کم سنت ہے اور نیت کرنے سے ہی وضوء ثواب اور درجہ والا ہوتا ہے اور وضوء کیلئے نیت یہ ہوگی کہ دل میں ارادہ کرے کہ میں اس وضوء کے ذریعہ سے طہارت حاصل کرنا چاہتا ہوں اور اگر وہ شخص پہلے سے باوضوء ہو اور اس کے باوجود تازہ وضوء کرنا چاہتا ہو تو پھر یہ نیت کرے کہ میں اس وضوء کے ذریعہ سے وہ اجر و ثواب حاصل کرنا چاہتا ہوں جو وضوء کرنے کی وجہ سے ملتا ہے۔

﴿٣﴾ وضوء کی ابتدا میں بسم اللہ پڑھنا بھی کم از کم سنت ہے

"اس لئے کہ حضرت ابوھریرہؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" من توضأ وذکر اللہ فانہ یطھر جسدہ کلہ ومن توضأ ولم یذکر اسم اللہ لم یطھر الا موضع الوضوء (دار قطنی جلد اول صفحہ ٧٣-٧٤، سنن الکبری للبیہقی جلد اول ص ٤٤) جس نے وضوء کیا اور اللہ تعالے کا نام لیا تو بے شک یہ اس کے سارے جسم کو پاک کر دیتا ہے اور جس نے وضوء کیا اور اللہ تعالی کا نام نہ لیا تو اس کے صرف وضوء والے اعضاء پاک ہوتے ہیں۔ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین یقوم للوضوء یکفأ الاناء فیسمی اللہ ثم یسبغ الوضوء (مجمع الزوائد جلد اول ص ٢٢٠) "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب وضوء کے لئے اٹھتے تھے اور برتن کو اوندھا کرتے تھے تو بسم اللہ پڑھتے پھر مکمل وضوء کرتے۔

﴿۴﴾ مسواک ...... وضوء کی ابتداء میں مسواک کرنا بھی سنت ہے۔

''اس لئے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے راویت ہے

''کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفضل الصلوۃ التی یستاک لھا علی الصلوۃ التی لا یستاک سبعین ضعفا''

(مجمع الزوائد جلد ۱۰ اص ۸۱، زجاجۃ المصابیح جلد ا صفحہ ۹۵)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کو جس کے لئے مسواک کی گئی ہو اس کو اس نماز پر ستر گنا فضیلت بیان کرتے تھے جس نماز کے لئے مسواک نہ کی گئی ہو۔ نیز حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کنا نضع مسواک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع طھورہ (مجمع الزوائد جلد ۲، صفحہ ۹۸)

ہم طہارت کے پانی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک رکھا کرتے تھے۔

اگر کسی آدمی کے پاس مسواک نہ ہو تو وہ انگلی کے ساتھ دانت صاف کرے۔

﴿۵﴾ وضوء کی ابتداء میں پہلے تین بار پہنچوں (گٹوں) تک ہاتھ دھونا بھی سنت ہے اس لئے کہ حضرت علیؓ نے اپنے اصحاب کو جو حضور علیہ السلام جیسا وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے۔

'' فغسل کفیہ حتی انقاھما '' (ابوداوٗد جلد ا صفحہ ۴۳، ترمذی جلد ا صفحہ ۸، نسائی جلد ا صفحہ ۱۵)

پھر اپنی ہتھیلیوں کو دھویا یہاں تک کہ ان کو خوب صاف کیا۔ اور ابو مطر نے حضرت علیؓ کے وضوء کی جو روایت کی ہے اسمیں ہے فغسل کفیہ و وجھہ ثلاثا.

(مسند احمد جلد ا صفحہ ۱۵۸)

تو حضرت علیؓ نے اپنی ہتھیلیاں اور اپنا چہرہ تین بار دھویا اور حضرت عثمانؓ نے اپنے اصحاب کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے

فافرغ علی کفیه ثلاث مرار فغسلهما (بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۷) پھر تین مرتبہ اپنی ہتھیلیوں پر پانی بہا کر ان کو دھویا۔

﴿۶﴾ وضوء میں تین بار کلی کرنا بھی سنت ہے۔ کلی کہتے ہیں کہ منہ میں پانی ڈال کر اس کو حرکت دینا اور پھر گرا دینا۔ حضرت علیؓ نے جو حضور علیہ السلام جیسا وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے **یمضمض ثلاثا مع الاستنشاق بماء واحد۔**

(ترمذی ج ۱ ص ۸، ابوداؤد ج ۱ ص ۴۲، مسند احمد ج ۱ ص ۱۳۵)

ایک ہی پانی کے ساتھ ناک میں پانی ڈالنے کے ساتھ تین مرتبہ کلی کی۔

اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ فرماتے ہیں

"**رأیت النبی ﷺ مضمض واستنشق من کف واحد فعل ذالک ثلاثا** (ترمذی ج ۱ ص ۶)

"میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے ایک ہی ہتھیلی سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور یہ کام آپ ﷺ نے تین دفعہ کیا۔

﴿۷﴾ تین بار ناک میں پانی ڈال کر جھاڑنا بھی سنت ہے جیسا کہ اوپر بیان کردہ روایت میں اس کا ذکر ہے۔ اور حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"

اذا توضأ احدکم فلیجعل فی انفه ثم لیستنثر (مسلم جلد ۱ ص ۱۲۴) جب تم میں سے کوئی وضوء کرے تو اپنے ناک میں پانی ڈالے پھر اس کو جھاڑ دے۔

﴿۸﴾ وضوء میں جو اعضاء دھوئے جاتے ہیں ان کو ایک ایک بار دھونا فرض ہے اور ایسے انداز سے دھوئے کہ ذرا سی جگہ بھی خشک نہ رہے اور دھوتے وقت اتنا پانی بہائے کہ چند قطرے نیچے بھی گر جائیں۔ اور دو دو بار دھونا اس سے افضل ہے اور تین تین بار دھونا سنت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ایک دفعہ اعضاء کو دھو کر وضوء کیا تو فرمایا "ھذا الوضوء الذی لا یقبل اللہ الصلوۃ الابہ۔ یہ ایسا وضوء ہے کہ اس کے بغیر اللہ تعالی نماز قبول ہی نہیں کرتا، پھر دو دو مرتبہ اعضاء کو دھو کر وضوء کیا تو فرمایا کہ یہ ایسا وضوء ہے جس کی وجہ سے وضوء کرنے والے کو دہرا اجر دیا جاتا ہے۔

' ثم توضأ ثلاثا فقال ھذا وضوئی ووضوء خلیل اللہ ابراھیم ووضوء الانبیاء قبلی ' (ابن ماجہ ص ۳۴، مسند احمد، ج ۲ ص ۹۸ دار قطنی جلد ا، صفحہ ۸۱) پھر تین مرتبہ وضوء کیا تو فرمایا کہ یہ میرا وضوء ہے اور یہی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا وضوء ہے اور یہی مجھ سے پہلے انبیاء کرام کا وضوء ہے۔

بلا وجہ تین مرتبہ سے زیادتی نہیں کرنی چاہیے اس لئے کہ زیادتی کی صورت میں خواہ مخواہ پانی کا ضیاع بھی ہے اور آدمی کا سنت کے ثواب سے محروم ہونا بھی ہے جو کہ سراسر زیادتی اور اپنے آپ پر ظلم ہے۔

﴿۹﴾ وضوء کرتے وقت دائیں جانب سے شروع کرنا بھی سنت ہے اس لئے کہ جن حضرات نے حضور علیہ السلام کے وضوء کو بیان کیا ہے انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے دائیں جانب سے شروع کیا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ترغیب بھی فرمائی ہے کہ " اذا توضأ تم فابدء وا بمیامنکم" (ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۱۵، ابن ماجہ ص ۳۳) جب تم وضوء کرو تو دائیں جانب سے شروع کرو۔

﴿۱۰﴾ تین بار چہرہ دھونا...... ☆ چہرہ دھونا فرض ہے اس لئے کہ چہرہ دھونے کا حکم قرآن کریم میں ہے فاغسلوا وجوھکم ۔ کہ اپنے چہروں کو دھوو۔ اور چہرہ دھونے میں پیشانی کی ابتداء سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور دونوں کانوں کے درمیان کا حصہ ہے۔ اس لئے کہ چہرہ اسی کو کہتے ہیں۔ بظاہر کان بھی چہرہ میں شامل ہیں مگر چونکہ

حضور علیہ السلام سے کانوں سے متعلق وضوء میں چہرہ سے الگ حکم ثابت ہے اس لئے کان چہرہ سے الگ ہیں۔ چہرے کا تین بار دھونا سنت ہے۔

اس لئے کہ حضرت عثمانؓ نے حضور علیہ السلام جیسا جو وضوء کر کے دکھایا تھا اسمیں ہے **ثم غسل وجهه ثلاثا** (بخاری جلد ۱، ص ۲۸) اور حضرت علیؓ نے جو وضوء کر کے دکھایا تھا اسمیں بھی ہے **ثم غسل وجهه ثلاثا** (مسند احمد جلد ۱، ۱۲۳) اور تین مرتبہ اپنا چہرہ دھویا۔

﴿۱۱﴾ چہرہ دونوں ہاتھوں سے دھونا سنت ہے اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے''

ثم اخذ غرفة من ماء فجعل بها هكذا اضافها الى يده الاخرى فغسل بها وجهه (بخاری جلد ۱، ص ۲۶) پھر ایک چلو پانی لیا اور اس کو دوسرے ہاتھ سے ملایا پھر اس سے اپنا چہرہ دھویا۔

﴿۱۲﴾ ڈاڑھی کا خلال کرنا بھی سنت یا مستحب ہے اس لئے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں۔

''**لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يخلل لحيته** (ترمذی جلد ۱، صفحہ ۶) ''بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کو اپنی ڈاڑھی کا خلال کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اگر ڈاڑھی گھنی ہو تو اس کا خلال کیا جائیگا اور اگر ڈاڑھی ہلکی ہو تو اس کے نیچے چہرہ کے چمڑے کو دھونا ضروری ہے۔

﴿۱۳﴾ ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونا بھی فرض ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے۔

''**وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ**'' اور اپنے ہاتھ کہنیوں سمیت دھوؤ۔ قرآن کریم میں **اِلَى الْمَرَافِقِ** فرمایا گیا ہے کہ ہاتھوں کا دھونا کہنیوں تک ہے تو کہنیوں کو انتہاء قرار دیا گیا ہے اور انتہاء اس کی ہوتی ہے جس کی ابتداء ہو تو ہاتھوں کو دھونے کی ابتداء انگلیوں سے ہوگی اسی لئے اہل السنت والجماعت ہاتھ دھوتے وقت انگلیوں سے شروع کرتے ہیں۔

﴿۱۴﴾ انگلیوں کا خلال کرنا ...... ☆ ہاتھ اور پاؤں دھوتے وقت انگلیوں کے درمیان خلال کرنا بھی سنت ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت لقیط بن صبرہؓ سے فرمایا "اذا توضأت فخلل الاصابع (ترمذی جلد ۱، ص ۷)

جب تو وضوء کرے تو انگلیوں کا خلال کیا کر۔ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اذا توضأت فخلل اصابع یدیک ورجلیک "۔ "کہ جب تو وضوء کرے تو اپنے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کیا کر۔ اور حضرت مستورد بن شدادؓ فرماتے ہیں" رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا توضأ دلک اصابع رجلیہ بخنصرہ (ترمذی جلد ۱، ص ۷)

کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ وضوء فرماتے تو اپنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے ساتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرتے۔

﴿۱۵﴾ ہاتھ دھوتے وقت انگوٹھی وغیرہ کو حرکت دینا بھی سنت ہے۔

اگر ہاتھ میں انگوٹھی یا کلائی میں گھڑی کا چین ہو یا عورتوں نے چوڑیاں وغیرہ پہنی ہوں تو اگر وہ اس قدر تنگ ہوں کہ پانی نیچے تک نہ جاتا ہو تو ان کو حرکت دے کر پانی نیچے تک پہنچانا ضروری ہے اور اگر کشادہ ہوں اور حرکت دیئے بغیر بھی پانی نیچے تک پہنچ جاتا ہو تو پھر ان کو حرکت دینا سنت ہے۔

حضرت ابورافعؓ فرماتے ہیں۔" کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا توضأ حرک خاتمہ (دار قطنی جلد ۱، ص ۸۳، ابن ماجہ ص ۳۵) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب وضوء کرتے تھے تو اپنی انگوٹھی کو حرکت دیتے تھے۔

﴿۱۶﴾ سر کا مسح کرنا فرض ہے" اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے وَامْسَحُوا بِرُؤُسِكُمْ" تم اپنے سروں کا مسح کرو۔ سر کے کم از کم چوتھائی حصہ کا مسح کرنا فرض ہے اس لئے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کرتے ہوئے مسح علی ناصیتہ (مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۳۴، ابوعوانہ جلد ۱ ص ۲۵۹) مقدار ناصیہ

سر پر مسح کیا۔ اور مقدار ناصیہ سر کا چوتھائی حصہ بنتا ہے۔ اس سے کم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سر کا مسح کرنا ثابت نہیں ہے۔ اور سارے سر کا مسح کرنا سنت ہے اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "مسح رأسه بيده فاقبل بهما و ادبر بدأ بمقدم رأسه ثم ذهب بهما الى قفاه ثم ردهما حتى رجع الى المكان الذى بدأ منه"
(ترمذی جلد۱ص ۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں کے ساتھ اپنے سر کا مسح کیا پھر ہاتھوں کو آگے سے پیچھے اور پیچھے سے آگے کیطرف لائے اور اپنے سر کے آگے والے حصہ سے مسح شروع کیا پھر ہاتھوں کو گدی تک لے گئے پھر ان کو واپس اسی جگہ تک لوٹایا جہاں سے مسح شروع کیا تھا۔

﴿۱۷﴾ گردن کا مسح...... ☆ سر کے مسح کے ساتھ گردن کے کچھ حصہ کا بھی مسح ہو جاتا ہے اس لئے آپ ﷺ گدی تک ہاتھ لے جاتے تھے اور گدی گردن ہی کا حصہ ہے اسی لئے مسلک اہلحدیث کے عالم مولوی محمد صادق سیالکوٹی لکھتے ہیں۔ اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ سر کا مسح کرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو گدی تک لے جاتے تھے اور گدی سر کا پچھلا حصہ ہوتا ہے۔ جس میں کچھ گردن بھی آجاتی ہے۔ (صلوۃ الرسول ص ۲۸)

﴿۱۸﴾ کانوں کا مسح کرنا بھی سنت ہے...... ☆ اس لئے کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے "ان النبى صلى الله عليه وسلم مسح برأسه واذنيه باطنهما بالسباحتين وظاهرهما بابهاميه (نسائی جلد۱، ص ۲۹)

بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا۔ ان کے باطنی حصہ کا شہادت کی انگلیوں کے ساتھ اور ظاہری حصہ کا اپنے انگوٹھوں کے ساتھ مسح کیا۔

اور حضرت عثمانؓ نے حضور علیہ السلام جیسا جو وضوء کر کے دکھایا اس میں

انہوں نے فرمایا "الأذنان من الرأس" (مسند احمد جلد ا ص ٦١) کہ دونوں کان سر کا حصہ ہیں یعنی ان کا سر کی طرح مسح کیا جائے۔

﴿۱۹﴾ دونوں پاؤں کا دھونا فرض ہے...... ☆ اور یہ پاؤں کی انگلیوں سے لے کر کعبین یعنی ٹخنوں سمیت ہے اس لئے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے حضور علیہ السلام جیسا جو وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے "ثم غسل کل رجل ثلاثا" (بخاری جلد ا، ص ۲۸) پھر ہر پاؤں کو تین تین دفعہ دھویا

اور بعض روایات میں ہے و غسل رجلیه ثلاثا (مسند احمد جلد ا ص ۱۵۸) اور اپنے پاؤں کو تین تین دفعہ دھویا۔ کسی روایت میں ہے وغسل قدمیه الی الکعبین (مسند احمد جلد ا، ص ۱۲۷) اور کسی روایت میں ہے ثم غسل رجلیه الی الکعبین ثلاث مرات (مسند احمد جلد ا، ص ٦۸) پھر تین مرتبہ ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھوئے۔

﴿۲۰﴾ موزوں پر مسح کرنا سنت ہے...... ☆ اگر پاؤں پر موزے پہنے ہوئے ہوں اور موزے میں پاؤں طہارت کی حالت میں ڈالے ہوں تو ان موزوں پر مسح کرنا سنت سے ثابت ہے، مسافر کے لئے تین دن اور تین راتیں اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات موزوں پر مسح کرنے کی اجازت ہے اور موزوں پر مسح کی روایات حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ حضرت علیؓ سے جب موزوں پر مسح کے بارہ میں پوچھا گیا تو انہوں فرمایا "جعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثة ایام ولیالیھن للمسافر ویوما ولیلة للمقیم (مسلم جلد ا ص ۱۳۵) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے تین دن اور ان کی راتیں اور مقیم کے لئے ایک دن رات تک اس کی مدت مقرر کی فرمائی ہے۔

﴿۲۱﴾ وضوء میں جو فرائض ہیں یعنی چہرہ دھونا، ہاتھ کہنیوں سمیت دھونا سر کا مسح کر اور پاؤں دھونا ان میں ترتیب کا لحاظ رکھنا سنت ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وضوء کے بارہ میں جو روایات منقول ہیں ان میں ترتیب سے وضوء کرنا ثابت ہے۔

﴿۲۲﴾ وضوء میں موالات مستحب ہے یعنی اعضاء کو یکے بعد دیگرے دھونا، درمیان میں اتنا وقفہ نہ کیا جائے کہ پہلا عضو خشک ہو جائے۔

﴿۲۳﴾ جن اعضاء کو دھویا جاتا ہے ان پر صرف پانی بہانے کو کافی نہ سمجھا جائے بلکہ ان کو ہاتھ سے ملنا بھی سنت ہے اسی کو دلک کہتے ہیں اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء میں دلک (اعضاء کو ملنا) بھی ثابت ہے۔

﴿۲۴﴾ وضوء سے بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا سنت ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء سے بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا۔

﴿۲۵﴾ وضوء سے فارغ ہو کر رومال یا تولیہ سے اعضاء کو خشک کرنا جائز ہے اس لئے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے "کانت للنبی علیہ السلام خرقة ینشف بها بعد الوضوء" (مستدرک ج ۱ ص ۱۵۴، ترمذی ج ۱ ص ۹) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کپڑا تھا اس کے ساتھ وضوء کے بعد اعضاء پونچھتے تھے۔ اسی طرح کی ایک روایت حضرت معاذ بن جبلؓ سے بھی ہے۔

﴿۲۶﴾ وضوء میں قبلہ رخ بیٹھنا مستحب ہے اور اونچی جگہ پر بیٹھنا بھی مستحب ہے تا کہ چھینٹے نہ پڑیں اور بلا وجہ وضوء کے دوران کسی سے مدد لینا بھی مناسب نہیں ہے۔

﴿۲۷﴾ وضوء کے بعد دعائیں پڑھنا بھی سنت سے ثابت ہے شہادتیں پڑھے یعنی "اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً عبده ورسوله پڑھے (مسلم جلد ۱ ص ۱۲۲) اور اس کے ساتھ اللّٰهم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطهرین پڑھے۔ (ترمذی ج ۱ ص ۹)

ان کے علاوہ اور بھی بعض دعائیں ثابت ہیں۔ وضوء کے بعد دعاء پڑھتے وقت آسمان کی طرف نظر اٹھانا درست ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ کی روایت میں ہے "قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من توضأ فاحسن الوضوء ثم رفع بصره الی السماء فقال اشهد ان لا اله الا الله وحده لاشریک له

واشهد ان محمدا عبده ورسوله فتحت له ثمانية ابواب من الجنة يدخل من ايها شاء (مسند ابی یعلی حدیث نمبر ۲۴۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اچھے انداز سے وضو کیا پھر اپنی نظر آسمان کیطرف اٹھا کر یہ کلمات کہے تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں ان میں سے جس سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے اور وہ کلمات یہ ہیں ''اشهد ان لا الٰه الا الله وحده لاشريک له واشهد ان محمدا عبده ورسوله ''وضوء کے بعد دعاء کرتے وقت آسمان کی طرف نظر اٹھانے کی روایت کنز العمال میں حضرت ثوبانؓ اور حضرت انسؓ سے بھی ہے۔ اس لئے وضوء کے بعد دعاء پڑھتے وقت آسمان کیطرف نظر اٹھانا تو درست ہے مگر انگلی کا اٹھانا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

﴿۲۸﴾ وضوء کے بعد اگر ایسا وقت ہو جس میں نوافل پڑھے جا سکتے ہیں تو دو رکعت تحیتہ الوضوء پڑھنا بھی سنت اور فضیلت کا باعث ہے۔

☆......تیمّم کا بیان......☆

اگر پانی نہ ہو یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے پانی کے استعمال پر قدرت نہ رکھتا ہو تو غسل اور وضوء کی جگہ تیمّم کر کے طہارت حاصل کرے۔ اور تیمّم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے پاک ہونے کی نیت کرے اور پھر ایک دفعہ دونوں ہاتھ مٹی ریت یا اینٹ پر مار کر ہاتھوں کو سارے چہرہ پر ملے جیسا کہ وضوء میں دھویا جاتا ہے اور پھر دوسری دفعہ دونوں ہاتھ مار کر کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں پر ملے۔

اختلافی مسائل......☆ وضوء کے مسنون طریقہ کے بیان کے بعد ہم پروفیسر غلام صابر صاحب کی کتاب ''وضوء رسول'' میں بیان کردہ ان مسائل کا ذکر ترتیب وار کرتے ہیں جن سے اہل السنّت والجماعت کو اختلاف ہے۔ اور جہاں ہم نے ضروری سمجھا وہاں شیعہ کتب کے حوالے بھی ذکر کئے ہیں تاکہ حجت تام ہو جائے اور ليهلک من هلک عن بينة ويحيى من حى عن بينة ۔ تاکہ جو ہلاک ہوتا

ہے وہ دلیل واضح ہو جانے کے بعد اس کے اعراض کی وجہ سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہتا ہے وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔

☆...... پہلا مسئلہ۔ کلمہ کی تبدیلی ......☆

پروفیسر غلام صابر کی کتاب ''وضوء رسول'' میں بیان کردہ باتوں میں سے سب سے پہلی بات جس پر مسلمانوں کو اعتراض اور اختلاف ہے وہ کلمہ میں تبدیلی ہے۔ جناب پروفیسر صاحب نے کتاب کے ٹائیٹل پر اپنے جامعہ کا جو مونو شائع کیا ہے اس پر کلمہ یوں لکھا ہے۔

لاالہ الا اللہ محمد الرسول اللہ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللہ۔ حالانکہ ہر مسلمان بلکہ مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ اسلام کا پہلا اور اصلی کلمہ جس کو کلمہ طیبہ کہا جاتا ہے وہ ''**لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**'' ہے۔

اس میں کمی بیشی جائز نہیں ہے، اس لئے پروفیسر صاحب کی کتاب پڑھ کر وضوء میں پاؤں دھونے کے بارہ میں کسی غلط فہمی کا شکار ہونے والے مسلمانوں سے گزارش ہے کہ وہ اس بات کو بھی مدنظر رکھے کہ پروفیسر صاحب اور ان کے طبقہ کو مسلمانوں کے ساتھ اسلام کے اصلی کلمہ میں بھی اختلاف ہے جس کا ثبوت انہوں نے کتاب کے ٹائٹل پر مسلمانوں کے کلمہ سے اعراض کرتے ہوئے اپنا کلمہ لکھ کر دیا ہے۔

☆...... دوسرا مسئلہ۔ امام منتظر (امام مھدی رحمۃ اللہ علیہ) ......☆

جناب پروفیسر صاحب اپنے طبقہ کو خطاب کرتے ہوئے ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہم نے امام زمانہؑ کے استقبال کے لئے تمام تیاریاں مکمل کرلیں ہیں؟ کیا ہم نے اپنے گھروں کو اس قابل بنالیا ہے کہ حجتؑ خدا تشریف لاسکیں (ص ٦)

یہ پروفیسر صاحب نے اپنے طبقہ کو خطاب کیا ہے ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہم صرف ان مسلمانوں کو جنہوں نے پروفیسر صاحب کی کتاب کا مطالعہ کیا ہے ان کو توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ جس امام زمانہ کا پروفیسر صاحب نے ذکر کیا ہے اس میں بھی

مسلمانوں کا نظریہ ان سے مختلف ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامتوں میں سے یہ علامت بھی بیان فرمائی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آسمانوں پر زندہ موجود ہیں وہ آسمان سے اتریں گے۔ ان کے آسمان سے اترتے وقت امام مھدی رحمۃ اللہ کی حکمرانی ہوگی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول کے بعد بعض نمازیں حضرت امام مھدی کے پیچھے پڑھیں گے۔

اہل السنّت والجماعت کے نزدیک امام مھدی اسی قرب قیامت دور میں پیدا ہوں گے اور ابتداء میں ان کے متعلق کسی کو معلوم نہ ہوگا پھر بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے علماء ان کو پہچانیں گے اور ان کے ہاتھ پر بیت کریں گے۔ ظہور مھدی سے یہی مراد ہے کہ پہلے ان کی حیثیت لوگوں کو معلوم نہ ہوگی اور پھر علماء کے بیعت کرنے کے بعد ان کی حیثیت نمایاں ہو جائیگی۔ اہل السنّت کے ہاں ظہور مھدی کا یہ مفہوم نہیں کہ وہ پہلے چھپے ہوئے ہوں گے اور پھر ظاہر ہو جائیں گے۔

اور حدیث میں ہے کہ ان کا نام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کی طرح محمد ہوگا اور ان کے والد کا نام حضور علیہ السلام کے والد ماجد کی نام کیطرح عبداللہ ہوگا (ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۳۲) اور امام مھدی خاتون جنت فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنھا کی اولاد میں سے ہوں گے اور محدثین کرامؒ کے فرمان کے مطابق وہ حضرت حسنؓ کی اولاد میں سے ہوں گے جیسا کہ ملا علی قاریؒ مرقات جلد ۱۰، ص ۱۷۴ میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لمعات جلد ۴ ص ۳۲۱ میں اور امام سیوطیؒ نے الحاوی للفتاوئ جلد ۲ ص ۸۵ میں ذکر کیا ہے۔

☆......شیعہ حضرات کا نظریہ......☆

امام مھدی کے بارہ میں شیعہ حضرات کا نظریہ ہے کہ امام مھدی وہ ہیں جو ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ میں پیدا ہوئے جنکا نام محمد اور والد کا نام امام حسن عسکری ہے اور وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں اور وہ حاکم وقت معتمد بن متوکل عباسی کی طرف سے قتل کئے جانے کے خوف سے عراق میں ایک غار ''سُر من رای'' میں

چھپ گئے ابتداء میں تقریباً پچھتر سال تک ان کے بارے میں بعض حضرات کو علم تھا اس دور کو غیبت صغری کا زمانہ کہا جاتا ہے اور پھر اس کے بعد غیبت کبری کا زمانہ شروع ہوا یعنی ان کے ٹھکانے کا کسی کو علم نہیں ہے اور قیامت کے قریب ان کا ظہور ہو گا۔

شیعہ حضرات نے اپنے امام مھدی کے ظہور کے بعد ان کے ہاتھوں حضرات صحابہ کرامؓ اور امھات المومنینؓ کی شان میں گستاخی کے جن اعمال کا ذکر کیا ہے اس سے سنی مسلمانوں کے جذبات بھڑکنا غیرت ایمانی ہے ان اعمال کو یہاں ذکر کرنا مناسب نہیں ہے اور شیعہ حضرات کے نزدیک امام مھدی غار میں چھپتے وقت اپنے ساتھ قرآن بھی لے گئے تھے جس کو شیعہ حضرات اصلی قرآن کہتے ہیں اور شیعہ حضرات کے نزدیک جب دنیا میں اصحاب بدر کی گنتی کے مطابق (تین سو تیرہ) مخلص مومن اور ساتھی جمع ہو جائیں گے تو اس وقت اللہ تعالی ان کا معاملہ ظاہر کرے گا۔ تفصیل کے لئے دیکھیں ''احتجاج طبرسی ص ۲۳۰ طبع ایران) شیعہ عالم علامہ نوری طبرسی قرآن کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں'

'وهو عند الحجة عجل الله فرجه يظهره للناس بعد ظهوره ويامرهم بقرأته وهو مخالف لهذا القرآن الموجود (فصل الخطاب ص ۱۲۱ دلیل ۴) اور وہ قرآن الحجہ (امام مھدی) کے پاس ہے اللہ تعالے اسکی مشکل جلدی آسان کرے وہ اس قرآن کو لوگوں کے سامنے اپنے ظہور کے بعد ظاہر کریں گے اور اس کی تلاوت کا حکم دیں گے اور وہ اس موجودہ قرآن کے خلاف ہے۔ اور شیعہ حضرات کی اصول اربعہ میں سے مرکزی کتاب اصول میں کافی ہے'' والله مافيه من قرآنكم حرف واحد" (اصول کافی جلد ا ص ۲۳۹ طبع ایران) اللہ کی قسم اس (امام مھدی کے پاس جو قرآن ہے)

میں تمہارے اس قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔ شیعہ حضرات کے نزدیک اصل قرآن وہ ہے جو ان کے بقول امام مھدی کے پاس ہے اور موجودہ قرآن ان کے نزدیک اصلی نہیں ہے۔

☆......اشکال اور انکا جواب......☆

ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو یا کوئی شیعہ اپنے آپ سے اس الزام کو رد کرتے ہوئے یوں کہے کہ شیعہ حضرات تو اس موجودہ قرآن کو پڑھتے پڑھاتے اور اسی کو قرآن کہتے ہیں۔

جیسا کہ پروفیسر غلام صابر صاحب نے بھی اپنے طبقہ سے سوال کیا ہے کیا ہمارے بچے قرآن مجید اور ابتدائی دینی معلومات مکتب تشیع سے حاصل کر رہے ہیں یا غیروں سے؟ (ص ٦) جب شیعہ حضرات اسی کو پڑھتے پڑھاتے ہیں تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ قرآن ان کے نزدیک اصلی نہیں ہے۔

اس اشکال کا حل بھی خود شیعہ علماء نے کر دیا ہے کہ جب تک اصلی قرآن نہیں آتا اس وقت تک یہی موجودہ قرآن ہی پڑھتے پڑھاتے رہیں چنانچہ انکے عالم مولوی مقبول احمد دہلوی ترجمہ قرآن کریم میں لکھتے ہیں "ہم اپنے امام کے حکم سے مجبور ہیں کہ جو تغیر یہ لوگ کر دیں تم اس کو اسی حال پر رہنے دو اور تغیر کرنے والے کا عذاب کم نہ کرو۔ جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو اصل حال سے مطلع کر دو۔ قرآن مجید کو اس کی اصلی حالت پر لانا جناب صاحب العصر علیہ السلام کا حق ہے اور ان ہی کے وقت میں وہ حسب تنزیل خدائے تعالی پڑھا جائے گا

(حاشیہ ترجمہ مقبول ص ۴۷۹) اور شیعہ حضرات کی اصولی کتاب اصول کافی میں ہے" قرأ رجل علی ابی عبداللہ علیہ السلام وانا استمع حروفا من القرآن لیس علی ما یقرؤها الناس فقال ابو عبدا للہ علیہ السلام کف عن هذه القراءة اقرأ کما یقرأ الناس حتی یقوم القائم فاذا قام القائم قرأ کتاب اللہ عز وجل علی حده (اصول کافی ص ۶۳۳ جلد ۲ مطبوعہ تہران)

ایک شخص نے ابوعبداللہ علیہ السلام (امام جعفر) کے سامنے قرآن کریم پڑھا جس کے الفاظ ایسے تھے جو اس قرآن میں نہیں جسے لوگ پڑھتے ہیں تو ابوعبداللہ علیہ السلام نے

فرمایا کہ اس قراءت سے رک جاؤ اور اسی طرح پڑھو جیسے لوگ پڑھتے ہیں یہاں تک کہ القائم (امام مھدی) کا ظہور ہو جائے۔

پس جب ان کا ظہور ہو گا تو وہ اللہ کی کتاب کو اس کے صحیح طریقہ کے مطابق پڑھیں گے۔

پروفیسر صاحب یا ان کے طبقہ کا جو نظریہ ہے اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہم تو ان سنی مسلمانوں سے درخواست کرتے ہیں جو پروفیسر صاحب کی کتاب پڑھ کر وضوء سے متعلق مسائل میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں یا وہ اپنے شیعہ دوستوں کی بعض باتوں سے متاثر ہو گئے ہیں کہ وہ غور کریں کہ پروفیسر صاحب کس طرح اپنے طبقہ کو امام مھدی کے استقبال کی تیاری کی ترغیب دے کر اپنے مذہب کا پرچار کر رہے ہیں۔

☆......تیسرا مسئلہ۔ چہرے کو اوپر سے نیچے دھونا......☆

پروفیسر غلام صابر صاحب لکھتے ہیں کہ شیعہ چہرے اور ہاتھوں کو وضوء میں اوپر سے نیچے دھوتے ہیں جبکہ اہل سنت نیچے سے اوپر کو دھوتے ہیں (ص ۱۱)

پروفیسر صاحب آگے لکھتے ہیں کہ احتیاط واجب کی بنا پر چہرے اور ہاتھوں کو اوپر سے نیچے کی طرف دھونا چاہیے اگر نیچے سے اوپر دھویا جائے تو وضوء باطل ہے (ص ۱۳)

پروفیسر صاحب نے شیعہ حضرات کا نظریہ یہ بتلایا کہ ان کے نزدیک چہرے کو نیچے سے اوپر کی جانب دھونے سے وضوء باطل ہو جاتا ہے مگر انھوں نے اس طریقہ سے وضوء کے باطل ہونے کی کوئی صریح دلیل پیش نہیں کی۔ اہل السنت والجماعت کے نزدیک چہرے کو اوپر سے نیچے دھونا مستحب ہے جیسا کہ خود پروفیسر صاحب نے امام نوویؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ چہرہ دھوتے وقت اوپر سے نیچے دھونا مستحب ہے اس لئے کہ یہ حصہ اشرف ہے اور استیعاب ہے یعنی چہرہ کو دھونے میں مکمل طور پر گھیر لینے کے زیادہ قریب ہے (نووی شرح مسلم جلد ا ص ۱۲۳)

غلط ترجمہ......☆ امام نووی کا یہ حوالہ دے کر ترجمہ کرتے ہوئے جناب پروفیسر صاحب کو یا تو کوئی غلطی لگی ہے یا انہوں نے جان بوجھ کر غلط ترجمہ کر کے

مطالب برآری کی کوشش کی ہے اس لئے کہ امام نووی کی اس عبارت میں الفاظ ہیں ولانہ اقرب الی الاستیعاب جس کا معنی ہے کہ یہ طریقہ استیعاب کے زیادہ قریب ہے مگر پروفیسر صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے اور فطرت کے موافق ہے (ص ۲۸) حالانکہ لانہ اقرب الی الاستیعاب کا ترجمہ فطرت کے موافق ہے کرنا بالکل غلط ہے۔

اہل السنّت کے نزدیک چہرہ دھوتے وقت اوپر سے نیچے دھونا مستحب ہے اگر کسی نے نیچے سے اوپر کی جانب دھویا تو استحباب کا لحاظ نہ رکھنے کی وجہ سے اس کے ثواب میں تو کمی ہو گی مگر وضوء باطل نہیں ہوتا اس لئے کہ اس حالت میں وضوء کے بطلان پر کوئی صریح اور واضح دلیل موجود نہیں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ حدیث میں آتا ہے کہ وضوء کرتے وقت پانی نیچے گرنے کے ساتھ اس عضو کے گناہ جھڑ جاتے ہیں جس کو دھویا جاتا ہے تو چہرے کو اوپر سے نیچے کو دھویا جائے یا نیچے سے اوپر کو دھویا جائے تو ہر حالت میں پانی کے قطرات نیچے ہی گرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ اوپر سے نیچے دھویا جائے تو پانی کے قطرات نیچے گرتے ہیں اور اگر نیچے سے اوپر دھویا جائے تو نہیں گرتے۔ یہ بات تو معمولی عقل والا بھی جان سکتا ہے اس لئے اہل السنّت کے نظریہ اور عمل کو اس حدیث کے مخالف نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ ان کا اس حدیث کے مطابق عمل ہے۔

☆...... چوتھا مسئلہ۔ چہرہ ایک ہاتھ یا دونوں ہاتھوں سے دھونا ......☆

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ شریعت اسلام نے دائیں ہاتھ کو ہر کام میں فضیلت دی ہے بائیں ہاتھ سے منہ دھونا خلاف فطرت، خلاف حکم اسلامی ہے (ص ۳۲-۳۳)

پروفیسر صاحب نے شیعہ حضرات کا نظریہ واضح کیا کہ چہرہ صرف دائیں طرف سے دھونا چاہیئے اور اس پر دلیل دیتے ہوئے لکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چہرے کو دائیں ہاتھ سے دھوتے تھے۔ مزید لکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میرا دایاں ہاتھ منہ کے لئے ہے اور بایاں ہاتھ طہارت یعنی استنجاء وغیرہ کے لئے ہے (ص ۲۷)

اس کا پہلا جواب...... ☆ پروفیسر صاحب نے ان روایات کے لئے کنز العمال کا حوالہ دیا ہے مگر ہمیں ان الفاظ سے یہ روایات نہیں مل سکیں جو الفاظ پروفیسر صاحب نے لکھے ہیں۔ البتہ ایک روایت ان الفاظ سے ہے "**یمینی لوجهی وشمالی لفرجی**" (کنز العمال جلد ۹ ص ۱۸۷)

میرا دایاں ہاتھ چہرے کے لئے اور بایاں ہاتھ شرمگاہ یعنی استنجاء کے لئے ہے۔ وضوء سے متعلق دوسری روایت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس روایت کا مطلب یہ ہو گا کہ چہرہ دھونے میں اصل دایاں ہاتھ ہے اور بایاں ہاتھ اس کے تابع ہے اور استنجاء کرنے میں اصل بایاں ہاتھ ہے اور پانی وغیرہ ڈالنے کے لئے دائیں ہاتھ سے مدد لی جاسکتی ہے۔ پھر یہ روایات ان صحیح روایات کے خلاف ہیں جن میں دونوں ہاتھوں کے ساتھ چہرہ دھونے کا ذکر ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کرتے ہوئے "**اخذ غرفة من ماء فجعل بها هكذا اضافها الى يده اليسرى فغسل بها وجهه**"

(بخاری جلد ۱ ص ۲۶) ایک چُلّو پانی لیا پھر اس کو دوسرے ہاتھ کے ساتھ ملایا پھر اس سے اپنا چہرہ دھویا۔ اسی طرح ایک روایت حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے ہے "**ثم ادخل يده فاغترف بهما فغسل وجهه ثلاث مرات**" (بخاری جلد ۱ ص ۳۳) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ برتن میں داخل کر کے دونوں ہاتھوں کے ساتھ چُلّو بھرا پھر تین مرتبہ اپنا چہرہ دھویا۔ اور حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو جو حضور علیہ السلام جیسا وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے" **ثم ادخل يديه في الاناء جميعا فاخذ بهما حفنة من ماء فضرب بها على وجهه** (ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۶) پھر اپنے دونوں ہاتھ اکٹھے برتن میں ڈال کر ان دونوں کے ساتھ ایک لپ پانی لیا پھر اس کو اپنے چہرہ پر بہایا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ بعض روایات میں ہے کہ ایک ہاتھ برتن میں داخل کر کے پانی لیا اور اس سے چہرہ دھویا اور بعض روایات میں ہے کہ دونوں ہاتھوں میں

پانی لے کر چہرہ دھویا اور بعض روایات میں ہے کہ ایک ہاتھ برتن میں داخل کر کے پانی لیا اور اس کے ساتھ دوسرا ہاتھ ملا کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ دھویا۔ ان روایات میں اس بات پر دلیل ہے "علی جواز الامور الثلاثة وان الجمیع سنة (نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۲۳)

کہ تینوں صورتیں جائز ہیں اور ان میں سے ہر ایک صورت سنت ہے۔

پروفیسر غلام صابر صاحب کا چہرہ دھونے میں بائیں ہاتھ کے استعمال کو خلاف فطرت کہنا درست نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ روایات سے ظاہر ہے۔ وضوء میں دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں ہاتھ کا استعمال ثابت ہے جیسا کہ حضرت علیؓ نے جو حضور علیہ السلام جیسا وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے "ثم مسح بیدہ کلتیهما مرة (مسند احمد جلد ۱ ص ۱۳۵) پھر اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ ایک مرتبہ سر کا مسح کیا اور خود پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ بائیں ہاتھ کے ساتھ مسح جائز ہے (ص ۱۴) اگر وضوء میں مسح کرتے وقت دائیں ہاتھ کے ساتھ بایاں ہاتھ استعمال کرنا جائز ہے تو چہرہ دھوتے وقت دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں ہاتھ کے استعمال کو خلاف فطرت کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟

☆......شیعہ کتب سے......☆

اہل سنت کے ہاں چہرہ دھوتے وقت دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں کو ملا کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ دھونا چاہیے جیسا کہ اس کی تائید میں احادیث ذکر کی گئی ہے۔ یہی نظریہ شیعہ کتب میں بھی ہے۔ چنانچہ شیعہ حضرات کے شیخ الطائفہ الطوسی نے روایت نقل کی ہے کہ ابو جعفر علیہ السلام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کے بارہ میں پوچھا گیا تو انھوں نے اس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا "ثم غمس کفه الیمنی فی التو ر فغسل بها واستعان بیدہ الیسر ی بکفه علی غسل وجهه (تهذیب الاحکام جلد ۱ ص ۵۶ الاستبصار ص ۷ ۵ جلد ۱ اور یہ روایت الکافی جلد ۱

ص۹ میں بھی ہے) پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈالا اور اپنے بائیں ہاتھ سے مدد لے کر اپنا چہرہ دھویا۔

دوسرا جواب...... ☆ پروفیسر صاحب نے جو روایت پیش کی ہے کہ دایاں ہاتھ چہرہ کے لئے اور بایاں ہاتھ استنجاء کے لئے ہے اس پر عمل تو شیعہ حضرات کا بھی نہیں اس لئے کہ وہ بھی وضوء میں دائیں ہاتھ کے ساتھ بایاں استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر روایت میں بھی گذرا کہ چہرہ دھوتے وقت بائیں ہاتھ سے مدد لیکر چہرہ دھویا اور خود پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ بائیں ہاتھ سے مسح کرنا جائز ہے

اسی طرح ایک روایت یوں ہے "**ثم اعاد الیسری فی الاناء فاسدلها علی الیمنی** (تهذیب الاحکام جلد۱ص ۵۵-۵۶، الاستبصار ج۱ص ۵۸۔ فروع کافی ج۳ص ۲۴، الکافی ج۱ص ۸)

پھر بایاں ہاتھ برتن میں ڈال کر پانی لیا پھر اسکو دائیں ہاتھ پر بہایا اور پھر اس بات پر اتفاق ہے کہ تیمم وضوء کا خلیفہ ہے اور جو کوئی آدمی کسی شرعی عذر کی وجہ سے وضوء نہیں کرسکتا تو وہ تیمم کرے اور تیمم اہل السنّت والجماعت اور شیعہ حضرات دونوں کے نزدیک دونوں ہاتھوں سے کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ "حضرت عمار بن یاسرؓ کی روایت میں ہے" **فضرب النبی صلی الله علیه وسلم بکفیه الارض ونفخ فیهما ثم مسح بهما وجهه وکفیه** (بخاری ج۱ص ۴۸۔ ابوداؤد ج۱ص ۴۵)

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان میں پھونک ماری پھر ان دونوں کے ساتھ اپنے چہرہ کو اور دونوں ہاتھوں کو ملا۔

اور تیمم میں دونوں ہاتھوں کو زمین پر مار کر چہرے اور ہاتھوں پر ملنے کی روایات تقریباً تمام تفاسیر اور کتب احادیث میں موجود ہیں۔

☆ ...... **شیعہ کتب سے** ...... ☆

شیعہ حضرات کے نزدیک بھی تیمم دونوں ہاتھوں سے کیا جاتا ہے چنانچہ خمینی

صاحب لکھتے ہیں " دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو اکٹھا ایسی چیز پر مارنا کہ جن پر تیمّم کرنا صحیح ہے (توضیح المسائل مترجم سید صفدر حسین النجفی، ص ۱۱۳، اور اسی قسم کی عبارت خمینی صاحب کی کتاب تحریر الوسیلہ ص ۲۸ ج ا، میں بھی ہے۔ اور شیعہ عالم حافظ بشیر حسین نجفی لکھتے ہیں دونوں ہتھیلیوں کو اکٹھا ایسی چیز پر مارنا جس پر تیمّم کرنا صحیح ہو (توضیح المسائل ص ۱۸۵) اور مختلف فتاوی جات کے حوالے سے شیعہ عالم السید منظور حسین نقوی نے جو کتاب لکھی ہے اس میں لکھتے ہیں۔ اگر غسل بدلے تیمّم ہو تو دو ضربی تیمّم کرے یعنی دو دفعہ ہاتھوں کو زمین پر مارے ایک دفعہ دونوں ہاتھوں کو زمین پر مار کر پیشانی اور کنپٹیوں اور ابروؤں کا مسح کرے (تحفۃ العوام ص ۲ ۷ سطر ۷)

اور شیعہ حضرات کے الشیخ الطوسی لکھتے ہیں " ثم یضرب بباطن کفیه علی ظاهر الارض وهما مبسوطتان (تھذیب الاحکام جلد ا ص ۲۰۶) پھر اپنی دونوں ہتھیلیوں کے باطنی حصہ کو زمین کی سطح پر مارے اس حال میں دونوں ہتھیلیاں کھلی ہوئی ہوں۔ اب ہر معمولی سمجھ بوجھ والا اور عقل سلیم والا آدمی جان سکتا ہے کہ اگر بایاں ہاتھ برتن میں ڈال کر اس میں پانی لے کر اس سے دایاں ہاتھ دھویا جاسکتا ہے اور تیمّم میں دونوں ہاتھ استعمال کئے جاسکتے ہیں تو پھر چہرہ دھونے میں بائیں ہاتھ کے استعمال کو کیسے خلاف فطرت کہا جاسکتا ہے؟ جبکہ شیعہ حضرات کی اصول کی کتابوں کے حوالہ سے واضح کر دیا گیا ہے کہ ان کے امام نے حضور علیہ السلام کے وضوء کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ چہرہ دھوتے وقت دائیں ہاتھ میں پانی لے کر بائیں ہاتھ کی مدد سے چہرہ دھویا اس لئے پروفیسر غلام صابر صاحب کا چہرہ دھوتے وقت بائیں ہاتھ کے استعمال کو خلاف فطرت کہنا بالکل غلط ہے۔

☆...... پانچواں مسئلہ۔ چہرہ دھونے کی مقدار کتنی ہے...... ☆

پروفیسر غلام صابر صاحب شیعہ حضرات کی ترجمانی کرتے ہوئے وضوء میں چہرہ دھونے کی مقدار یوں بیان کرتے ہیں کہ لمبائی میں پیشانی کے اوپر اس جگہ سے

لے کر جہاں سر کے بال اگتے ہیں اور ٹھوڑی کے آخری کنارہ تک۔ چوڑائی میں بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کے پھیلاؤ میں جتنی جگہ آجائے (ص۱۲)

اہل سنت کے نزدیک چہرہ دھونے میں لمبائی کے لحاظ سے پیشانی شروع ہونے سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور چوڑائی کے لحاظ سے ایک کان سے دوسرے کان تک ہے۔ اس لئے کہ اسی کو چہرہ کہتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے'

سجد وجھی للذی خلقه و صوره وشق سمعه وبصره (مسلم ص ۲۶۳، جلد۱) میرے چہرے نے اس ذات کے سامنے سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا اور اس کو صورت بخشی اور اس سے کان اور آنکھ نکالے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ کان چہرہ سے ہی نکالے گئے ہیں اور کان تک کا حصہ چہرہ ہی ہے اور یہ بھی معلوم ہو اکہ کان بھی چہرہ میں شامل ہیں مگر ان کا حکم چونکہ الگ موجود ہے اس لئے کان چہرہ کے حکم سے الگ ہوں گے اور وہ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان ہے ''الأذنان من الراس (ترمذی ص ۷ ج ۱، ابن ماجہ ص ۳۵ دار قطنی ج ۱ ص ۳۶) کہ کان سر میں سے ہیں یعنی ان کا سر کی طرح مسح ہے۔ نیز ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو ڈاڑھی ڈھانپے ہوئے دیکھا تو فرمایا اس کو کھول دے اس لئے کہ ڈاڑھی چہرے کا حصہ ہے (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۳)

اور حضرت عثمانؓ نے جب حضور علیہ السلام جیسا وضوء کر کے دکھایا تو اس میں فرمایا ''واعلموا ان لأذنين من الرأس (مسند احمد ج ۱ ص ۶۱) اور جان لو کہ بے شک کا سر میں سے ہیں۔

☆......شیعہ کتب سے......☆

شیعہ عالم ابو جعفر کلینی روایت نقل کرتے ہیں کہ زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کو کہاں سے معلوم ہوا کہ سر اور پاؤں کے بعض

حصہ کا مسح کرنا چاہیے تو وہ ہنسے اور کہا اے زرارہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فاغسلوا وجوهكم فعرفنا ان الوجه كله ينبغي ان يغسل (فروع کافی ج ۳ ص ۳۰) پس اپنے چہروں کو دھوو تو ہم نے معلوم کرلیا کہ بے شک سارے چہرے کا دھونا ہی مناسب ہے۔

اور زرارہ ہی کی روایت ہے "کہ ابو جعفر علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے کہ برتن سے پانی لے کر چہرہ کی اوپر کی جانب سے بہایا ثم مسح بيده (اليمنى) الجانيبين جميعا (الاستبصار ج ۱ ص ۵۸) پھر اپنے ہاتھ کے ساتھ چہرہ کے دونوں جانب کو ملا الاستبصار کے حاشیہ لکھنے والے نے لکھا ہے کہ یہ روایت التھذیب ج ۱ ص ۱۶ اور الکافی ج ۱ ص ۸ میں بھی کچھ معمولی اختلاف کے ساتھ ہے۔

☆......یقینی مقدار......☆

اہل سنت نے چہرہ کی چوڑائی کے لحاظ سے جو مقدار بتائی ہے وہ چہرہ کے عمومی معنی کو ملحوظ رکھ کر بتائی ہے اور اس میں ہر آدمی کو یقین حاصل ہو جاتا ہے اور سب کے لئے حکم برابر ہے اور اس میں سہولت بھی ہے بخلاف اس مقدار کے جو شیعہ حضرات بتاتے ہیں کہ درمیان والی انگلی اور انگوٹھے کو کھولا جائے تو ان کے درمیان جو جگہ ہے اس کو دھویا جائے چہرہ میں مقدار یہی ہے مگر اس پر کوئی صحیح اور صریح روایت موجود نہیں ہے پھر اس میں دشواری بھی ہے کہ ایک ایسا آدمی جس کا چہرہ چوڑا ہو اور اس کے ہاتھ کی انگلیاں چھوٹی ہوں کہ اسکے آدھے چہرے کو بھی نہ گھیرتی ہوں یا ایسا آدمی ہے جسکا چہرہ پتلا ہو اور ہاتھ کی انگلیاں اتنی بڑی ہوں کہ چہرہ پر رکھتے وقت دونوں کانوں کو بھی لپیٹ میں لے لیتی ہوں تو ایسے آدمی کیا کریں تو اس کا حل شیعہ حضرات نے یہ بتایا کہ وہ آدمی دوسرے حضرات کو دیکھے کہ وہ عموماً کتنا حصہ دھوتے ہیں یہ بھی وہیں تک دھوئے (توضیح المسائل خمینی ص ۳۷، توضیح المسائل لحافظ بشیر حسین نجفی ص ۸۹)

شیعہ حضرات کی بتلائی ہوئی چہرہ کی چوڑائی کے لحاظ سے مقدار میں سراسر دشواری ہے اور پھر شک بھی رہتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ جتنا حصہ فرض ہے وہ دھویا نہ جاسکا ہو اسی لئے شیعہ علماء کو یہ کہنا پڑا کہ اگر اس مقدار کا ذرا سا حصہ بھی چھوٹ جائے تو وضوء باطل ہوگا لہذا یہ یقین کرنے کے لئے کہ اتنا ضروری حصہ پورا دھل گیا ہے تھوڑا تھوڑا ادھر ادھر سے بھی دھولینا چاہئے (توضیح المسائل لحافظ بشیر حسین نجفی ص ۸۹)

اور خمینی صاحب لکھتے ہیں اور یہ یقین پیدا کرنے کے لئے کہ یہ مقدار پورے طور پر دھوئی جاچکی ہے کچھ حصہ اطراف میں سے بھی دھولیا جائے (تحریر الوسیلہ ج ۱ ص ۲۱) ـ توضیح المسائل مترجم ص ۳۷) اور خود پروفیسر غلام صابر صاحب لکھتے ہیں "کہ چہرے اور ہاتھوں کو دھونے میں واجب مقدار وہی ہے جو پہلے گذری لیکن یقین کرنے کے لئے آیا کہ واجب مقدار کو دھولیا گیا ہے یا نہیں تھوڑا ادھر ادھر سے بھی دھولینا چاہیے (ص ۱۳)

جب شیعہ حضرات کی بیان کردہ مقدار میں یقین حاصل نہیں ہوتا بلکہ شک رہتا ہے اور اہل سنت کی بیان کردہ مقدار میں یقین اور اطمینان حاصل ہوجاتا ہے تو اسی مقدار کو لینا چاہیے جس سے یقین اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

☆ ...... چھٹا مسئلہ۔ وضوء کے اعضاء کو کتنی بار دھونا چاہیے۔ ...... ☆

پروفیسر صاحب شیعہ حضرات کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وضوء میں چہرے اور بازوں کا پہلی دفعہ دھونا واجب ـ دوسری دفعہ دھونا مستحب اور تیسری مرتبہ یا اس سے زیادہ بار دھونا حرام ہے (ص ۱۳) اس کے برخلاف اہل سنت کا نظریہ یہ ہے کہ وضوء میں جن اعضاء کو دھویا جاتا ہے ان کو تین تین بار دھونا سنت اور افضل ہے۔ اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے ایک ایک دفعہ اعضاء دھوکر اور دو دو دفعہ اعضاء دھوکر اور تین تین بار اعضاء دھوکر وضوء کیا اور تین تین بار دھونے کو اپنا اور اپنے سے پہلے انبیاء کا وضوء قرار دیا جس کے بعض حوالے گذر چکے ہیں ـ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

ایک ایک مرتبہ وضوء کرنا دو دو مرتبہ وضوء کرنا اور تین تین مرتبہ وضوء کرنے کی احادیث بے شمار ہیں ملاحظہ ہوں بخاری ج ا ص ۲۷۔ ترمذی ج ا ص ۷ اور ابو داؤد ص ۱۸ ج ۱) اور حضرت علیؓ نے حضور علیہ السلام جیسا جو وضوء کر کے دکھایا اس میں بھی اعضاء کو تین تین دفعہ دھونے کا ذکر ہے ملاحظہ ہو مسند احمد ج ا ص ۱۲۷،۷، ۱۳۵، ۱۵۸ وغیرہ۔ اور حضرت عثمانؓ نے جو حضور علیہ السلام جیسا وضوء کر کے دکھایا اس میں بھی تین تین دفعہ کا ذکر ہے ملاحظہ ہو بخاری ج ا ص ۲۷، ۲۸ مسند احمد ج ا ص ۶۱، ۶۸ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۴ وغیرہ)

☆ ...... شیعہ کتب سے ...... ☆

شیعہ حضرات کے شیخ الطائفہ الطوسی روایت نقل کرتے ہیں "عن داؤد بن زربی قال سألت ابا عبداللہ علیہ السلام عن الوضوء فقال لی توضاء ثلاثا. (تھذیب الاحکام ج ا ص ۸۲) داؤد بن ابی زربی کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے وضوء کے بارہ میں پوچھا تو انہوں نے مجھے کہا کہ تین دفعہ وضوء کر اور یہی روایت الاستبصار ج ا ص ۷۱ میں بھی ہے۔

مگر اس کی یوں تاویل کی کہ یہ تقیہ کی وجہ سے ہے۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وضوء کیا ثم غسلت وجھی ثلاثا فقال قد یجزبک من ذالک مرتین (تھذیب الاحکام ج ا ص ۹۳) پھر میں نے تین مرتبہ چہرہ دھویا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک یہ تجھے دو مرتبہ بھی کافی تھا۔ اس روایت میں صراحت ہے کہ حضرت علیؓ نے تین دفعہ چہرہ دھویا اور اس میں تقیہ کا عذر بھی نہیں چل سکتا اس لئے کہ وضوء کرنے والے حضرت علیؓ ہیں اور دیکھ کر تعلم دینے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو تقیہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جب صحیح روایات سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تین تین بار اعضاء کو دھو کر وضوء کرنا ثابت ہے تو تین دفعہ اعضاء دھونے کو حرام یا بدعت کہنا بالکل غلط ہے۔

☆......ساتواں مسئلہ۔ ہاتھ کس طرف سے دھوئے جائیں......☆

پروفیسر صاحب نے اپنا اور اپنے ہم مذہب لوگوں کا نظریہ یہ بتایا ہے کہ ہاتھ کہنیوں کی طرف سے دھونے شروع کرے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ احتیاط واجب کی بنا پر چہرے اور ہاتھوں کو اوپر سے نیچے کی طرف دھونا چاہیے اگر نیچے سے اوپر دھویا جائے تو وضوء باطل ہے (ص ۱۳) اس کے برخلاف اہل سنت کا نظریہ یہ ہے کہ ہاتھ دھوتے وقت انگلیوں سے شروع کیا جائے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وایدیکم الی المرافق کہ ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوو تو اللہ تعالیٰ نے دھونے کی انتہاء کہنیوں کو قرار دیا ہے۔ اگر کسی نے اس کا الٹ کیا تو جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کا وضوء تو صحیح ہوگا الا ان یکون تارکا للسنة (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۶۰) مگر سنت چھوڑنے والا ہوگا۔ باقی رہی یہ بات کہ حدیث میں آتا ہے کہ انگلیوں کی جانب سے گناہ جھڑتے ہیں تو اس کو اہل سنت کے عمل کے خلاف پیش نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ اہل سنت وضوء کرتے وقت انگلیوں کی جانب سے شروع کرتے ہیں اور پھر ہاتھ الٹا کر کہنیوں کی جانب سے بھی دھوتے ہیں تاکہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے اور پھر اہل سنت وضوء کے بعد ہاتھ نیچے کی جانب ہی کر کے اٹھتے ہیں تو اس حدیث پر ان کا مکمل عمل ہے۔ جبکہ شیعہ حضرات کا عمل اس حدیث کے خلاف ہے اس لئے کہ حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب آدمی پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں کی انگلیوں کی جانب سے گناہ جھڑتے ہیں اول تو شیعہ حضرات پاؤں دھونے کے قائل ہی نہیں پھر مسح کرتے وقت پاؤں کی انگلیوں کی جانب سے شروع کرتے ہیں اور کعب تک مسح کرتے ہیں تو انگلیوں کی جانب سے گناہ جھڑنے کی روایت شیعہ حضرات کے خلاف ہے۔

☆......اعتراض......☆

پروفیسر غلام صابر صاحب اہل سنت کے عمل پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل سنت کے معتبر علماء نے اپنی کتب میں الی المرافق کے معنی مع المرافق کئے

ہیں (جلالین فتح الباری) مطلب یہ ہوا کہ ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھویا جائے (ص ۲۸) اس میں پروفیسر صاحب کا مقصد یہ ہے کہ الی المرافق میں الیٰ کو انتہا کے لئے نہیں بلکہ مع کے معنی میں لیا گیا ہے تو پھر انگلیوں سے ابتداء نہیں ہو گی۔

پہلا جواب...... ☆ بے شک مفسرین کرام نے الی المرافق کے معنی مع المرافق اور الی الکعبین کے معنی مع الکعبین کئے ہیں مگر اس سے ہاتھوں کو کہنیوں کی جانب سے دھونا تو ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس صورت میں بھی ہاتھوں کو اور پاؤں کو انگلیوں کی جانب سے ہی دھونا ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ حضرات مفسرین کرام نے وضاحت کی ہے کہ الی المرافق اور الی الکعبین کی قید اسقاط ماراء کے لئے ہے یعنی ان سے اوپر والے حصہ کو دھونے کے حکم سے خارج کرنے کے لئے ہے اس لئے کہ عربی زبان میں "یَد" ہاتھ کی انگلیوں سے لیکر کندھے کے جوڑ تک سارے بازو کو کہتے ہیں اور "رِجلُ" پاؤں کی انگلیوں سے لیکر ران کے جوڑ تک ساری ٹانگ کو کہتے ہیں۔ اگر الی المرافق اور الی الکعبین کی قید نہ ہوتی تو جس طرح سارے چہرے کو دھویا جاتا ہے اسی طرح سارے بازو اور ساری ٹانگ کو دھونا پڑتا جب یہ قید آگئی تو واضح ہو گیا کہ "یَدَین" (ہاتھوں) کا دھونا مرافق (کہنیوں) سے اوپر اور پاؤں کا دھونا کعبین (ٹخنوں) سے اوپر ضروری نہیں ہے اس لئے کہ اوپر کا حصہ دھونے کے حکم سے خارج ہے۔ اس لحاظ سے الی المرافق کا معنی مع المرافق اور الی الکعبین کا معنی مع الکعبین ہو گیا اور یہ دھونے کی فرض جگہ کی آخری حد ہیں۔ جب یہ آخری حد ہیں تو ابتداء انگلیوں کیطرف سے ہی ہو گی اور یہی سنت ہے۔

دوسرا جواب...... ☆ "جس طرح ہاتھ دھونے میں الی المرافق کی قید ہے اسی طرح پاؤں میں بھی الی الکعبین کی قید ہے اور اس میں شیعہ حضرات بھی پاؤں کی انگلیوں کی جانب سے شروع کرنے کے قائل ہیں جب ایک جگہ انگلیوں کی جانب سے شروع کرنے کے شیعہ حضرات بھی قائل ہیں تو دوسری جگہ یعنی ہاتھوں میں انگلیوں کی جانب سے شروع کرنے سے وضوء کیونکر باطل ہو جاتا ہے؟

☆......شیعہ ضد کی اصل وجہ......☆

شیعہ حضرات جو کہنیوں کی جانب سے ہاتھ دھونے کو ضروری سمجھتے ہیں اور اس بارہ میں بضد ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ حضرات قرآن کریم کی اس موجودہ قرأت الی المرافق کو نعوذ باللہ اصل قرأت ہی نہیں مانتے اس لئے کہ ان کے نزدیک اصل قرأت من المرافق ہے۔

چنانچہ شیعہ حضرات کے شیخ الطائفہ ابو جعفر الطوسی روایت نقل کرتے ہیں کہ الھیثم بن عروہ التمیمی کہتے کہ میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "فاغسلوا وجوھکم وایدیکم من المرافق" کے متعلق پوچھا فقال لیس ھکذا تنزیلھا انما ھی فاغسلوا وجوھکم وایدیکم من المرافق (تھذیب الاحکام ج۱ص ۵۷)

تو انھوں نے کہا قرآن کریم کی اس آیت کا نزول اس طرح نہیں ہے بلکہ اس طرح ہے "فاغسلوا وجوھکم وایدیکم من المرافق" کہ اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں کی جانب سے دھوو۔ تھذیب الاحکام کے حاشیہ لکھنے والے نے لکھا ہے کہ یہ روایت الکافی ج۱ص ۱۰ اور الاستبصار ص ۵۸ ج۱۔ میں بھی ہے۔

☆......آٹھواں مسئلہ۔ سر کا مسح......☆

پروفیسر غلام صابر صاحب لکھتے ہیں کہ شیعہ سر کے بعض حصے یعنی سر کے اگلے حصے کا مسح کرتے ہیں جبکہ اہل سنت سر کا مسح کرتے وقت گردن کو بھی شامل کرتے ہیں (ص ۱۱) پھر آگے لکھتے ہیں ان دلائل سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ سارے سر پر اور خاص طور پر گردن اور کانوں کا مسح کرنا قرآن کی آیت سے تو ثابت نہیں ہوتا بلکہ سر کے بعض حصے اور خاص کر مقدم حصے کا مسح کرنا ثابت ہو رہا ہے۔ (۲۹)

پروفیسر صاحب مسح کے متعلق مزید لکھتے ہیں کہ بائیں ہاتھ سے مسح جائز ہے لیکن احتیاط واجب کی بنا پر دائیں ہاتھ سے مسح کرنا چاہیئے (۱۴) اس میں پروفیسر

صاحب نے شیعہ حضرات کی ترجمانی کرتے ہوئے چار باتیں ذکر کی ہیں اول یہ کہ سارے سر کا مسح درست نہیں دوم یہ کہ گردن کا مسح درست نہیں سوم یہ کانوں کا مسح درست نہیں اس لئے کہ یہ قرآن کی آیت سے ثابت نہیں ہورہے اور چہارم یہ مسح میں احتیاط واجب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ سے مسح کیا جائے۔ اس کے برخلاف اہل سنت کا نظریہ یہ ہے کہ سارے سر کا مسح کرنا کم از کم سنت ہے۔ کانوں کا مسح بھی سنت ہے۔ سر کا مسح کرتے وقت ہاتھوں کو گدی تک لے جانا بھی سنت ہے۔ جس میں گردن کا کچھ حصہ بھی آجاتا ہے اور دونوں ہاتھوں کے ساتھ مسح کرنا سنت ہے۔

جب یہ کام اہل سنت کے نزدیک سنت ہیں تو ان کی دلیل بھی سنت سے طلب کرنی چاہئے یہ کہہ کر رد کرنا کہ یہ قرآن کی آیت سے ثابت نہیں تو یہ انداز بالکل غلط ہے۔

چنانچہ خود پروفیسر صاحب نے وضوء میں ہاتھوں کو کلائیوں تک دھونا اور پھر تین مرتبہ کلی کرنا اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالنا تسلیم کیا ہے اور ان کے بارہ میں کہا ہے کہ یہ تینوں کام سنت ہیں واجب نہیں (ص ۱۲) حالانکہ ان میں سے کوئی بھی قرآن کریم کی آیت سے ثابت نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو کام سنت ہیں ان کی دلیل قرآن کریم کی آیت سے تلاش نہیں کی جاتی تو اہل سنت بھی سارے سر کے مسح کو سنت کہتے ہیں اس لئے ان کی تردید میں یہ کہنا کہ یہ قرآن کی آیت سے ثابت نہیں یہ سراسر جہالت یا محض ہٹ دھرمی ہے۔

☆......سر کے مسح کی احادیث......☆

سارے سر کا مسح صحیح احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے جو حضور علیہ السلام جیسا وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے "ثم مسح رأسه بيده فاقبل بهما وادبر بدأ بقدم رأسه حتى ذهب بها الى قفاه ثم ردهما الى المكان الذى بدأ منه (بخاری ج ۱ ص ۳۱)

پھر دونوں ہاتھوں سے سر کا مسح کیا تو ہاتھوں کو آگے سے پیچھے اور پیچھے سے آگے لائے اور سر کے اگلے حصہ سے ابتداء کی یہاں تک کہ ان کو گدی تک لے گئے پھر ان کو اسی جگہ پر واپس لائے جہاں سے شروع کیا تھا (اور ہاتھوں کو گدی تک لے جانے کی روایت ترمذی جلد ۱ ص ۷۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۶ اور کنز العمال ص ۲۵۴ جلد ۹ وغیرہ میں بھی ہے) ایک اور روایت میں ہے فاقبل بیدہ وادبر (مسلم ج ۱ ص ۱۲۳) پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو آگے اور پیچھے لے گئے۔

اور عبد خیر کی سند میں حضرت علیؓ نے حضور علیہ السلام جیسا جو وضو کر کے دکھایا اس میں ہے "ثم مسح راسه بیدیه کلتیهما (مسند احمد ج ۱ ص ۱۳۵) پھر اپنے سر کا دونوں ہاتھوں کے ساتھ مسح کیا۔

اور یہ روایت ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۸۔ دار قطنی ج ۱ ص ۱۹۰ اور صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۷۶ وغیرہ میں بھی ہے۔

اور حضرت ربیع بنت معوذؓ نے حضور علیہ السلام کا جو وضوء پوچھنے والوں کو بتایا اس میں ہے "ثم مسح رأسه مقدمه وموخره (کنز العمال ج ۹ ص ۲۵۶) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کے اگلے اور پچھلے حصہ کا مسح کیا۔

☆......شیعہ کتب سے......☆

دونوں ہاتھوں کے ساتھ سر کا مسح کرنا شیعہ کتب میں بھی ہے چنانچہ ابو جعفر الطوسی روایت نقل کرتے ہیں کہ ابو جعفر علیہ السلام نے حضور علیہ السلام جیسا جو وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے "ثم مسح ببلة مابقی فی یدیه رأسه (الاستبصار ج ۱ ص ۵۸) پھر جو تری آپ کے دونوں ہاتھوں میں تھی اس کے ساتھ اپنے سر کا مسح کیا۔ الاستبصار کے حاشیہ میں ہے کہ یہ روایت التھذیب ج ۱ ص ۱۶ اور الکافی جلد ۱ ص ۸ میں بھی معمولی اختلاف کے ساتھ موجود ہے۔ ان روایات سے دونوں ہاتھوں کے ساتھ سر کا مسح کرنا سنت ثابت ہوتا ہے۔ اور ابو جعفر الطوسی نے ایک اور روایت

نقل کی کہ حسین بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے ایسے آدمی کے بارہ میں پوچھا جس نے اپنے سر کا پیچھے کی جانب سے مسح کیا اپنی انگلی کے ساتھ جبکہ اس سر پر پگڑی تھی کیا اس کا یہ عمل جائز ہے تو انھوں نے فرمایا ہاں جائز ہے (تھذیب الاحکام ج ا ص ۹۱ اور یہ روایت الاستبصار ج ا ص ۶۰ میں بھی ہے اس روایت سے معلوم ہوا کہ سر کا پچھلا حصہ بھی مسح کا محل ہے۔

☆......نواں مسئلہ۔ گردن کا مسح......☆

پروفیسر غلام صابر صاحب نے لکھا کہ گردن کا مسح ثابت نہیں ہے اس کے برعکس جمہور اہل سنت کا نظریہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا سر کے مسح میں ہاتھوں کو گدی تک لے جانا ثابت ہے اور اس سے گردن کا کچھ مسح بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

اس لئے گردن کا مسح کم از کم مستحب ہے۔ گردن کے مسح سے متعلق جو بعض احادیث وارد ہیں تو حضرات محدثین کرامؒ نے ان کی فنی حیثیت کو واضح کیا ہے کہ گدی تک لے جانے والی روایات کے علاوہ دیگر روایات اگر چہ انفرادی طور پر درجہ صحت کو نہیں پہنچتی بلکہ ان میں کمزوری ہے مگر مجموعی طور پر ان سے کم از کم استحباب ضرور ثابت ہو جاتا ہے اسی لئے جمہور اہل سنت گردن کے مسح کے سنت یا مستحب ہونے کے قائل ہیں۔

پروفیسر صاحب کی غلط فہمی......☆ پروفیسر غلام صابر صاحب لکھتے ہیں کہ صاحب نیل الاوطار بھی پورے سر کے مسح کو بدعت لکھتے ہیں فرماتے ہیں ''مسح الرقبة ليس هو سنة بل بدعة ''یعنی وضوء میں گردن کا مسح کرنا سنت نہیں بلکہ بدعت ہے (نیل الاوطار ج ا ص ۱۹۳)۔ (ص ۳۰) پروفیسر صاحب کو یہاں دو طرح غلط فہمی ہوئی ہے یا انہوں نے جان بوجھ کر صاحب نیل الاوطار قاضی شوکانیؒ کی طرف غلط بات منسوب کی ہے۔

پروفیسر صاحب کو ایک غلط فہمی یہ ہوئی ہے کہ انھوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ مسح الرقبہ کو بدعت کہنے سارے سر کے مسح کو بدعت کہنا ثابت ہوتا ہے اور دوسری

غلط فہمی یہ ہوئی ہے کہ انھوں نے امام نووی کی عبارت کو صاحب نیل الاوطار کی عبارت سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ یہ انکی اپنی نا سمجھی ہے۔

امام نووی گردن کے مستقل مسح کو تو بدعت کہتے ہیں مگر سر کے مسح میں ہاتھوں کو گدی تک لے جانے یا سارے سر کے مسح کو بدعت ہرگز نہیں کہتے بلکہ اس کو ثابت مانتے ہیں۔ اس لئے مسح رقبہ کو بدعت کہنے سے ان کے نزدیک بھی سارے سر کے مسح کی نفی نہیں ہوتی جیسا کہ پروفیسر صاحب نے اس عبارت سے سمجھ لیا ہے

پھر پروفیسر صاحب یہ عبارت صاحب نیل الاوطار قاضی شوکانی کی قرار دے رہے ہیں حالانکہ یہ عبارت امام نووی کی ہے جس کی تردید میں قاضی شوکانی نے بعض روایات نقل کر کے آخر میں لکھا ہے" وبجميع هذا تعلم ان قول النووی مسح الرقبة بدعة وان حديثه موضوع مجازفة (نیل الاوطار ج اص ۱۸۱)

اس ساری بحث سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ امام نووی کا گردن کے مسح کو بدعت کہنا اور اس کی حدیث کو موضوع کہنا بالکل بے تکی بات ہے۔ حیرانگی کی بات ہے کہ قاضی شوکانی تو اس عبارت کے مفہوم کی تردید کر رہے ہیں اور پروفیسر غلام صابر صاحب یہ عبارت ان کی قرار دے رہے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ

☆ ......شیعہ کتب سے...... ☆

اہل سنت تو سر کا مسح کرتے وقت ہاتھوں کو گدی تک لے جانا سنت سمجھتے ہیں اور ان کا نظریہ صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے جن کے حوالے پیش کر دیئے گئے ہیں خود شیعہ کتب میں بھی سر کا مسح کرتے وقت ہاتھوں کو گدی تک لے جانے کی روایات موجود ہیں چنانچہ ابو جعفر الطوسی روایت نقل کرتے ہیں کہ حسین بن ابی العلاء کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے سر کے مسح کے بارہ میں پوچھا تو انھوں نے کہا "کانی انظر الی عکنة فی قفا ابی یمر علیها یده وسألته عن الوضوء بمسح الرأس مقدمه ومؤخره قال کانی انظر الی عکنة فی رقبة ابی

یمسح علیھا (تھذیب الاحکام ج ا ص ۹۰ اور حاشیہ والے نے لکھا ہے کہ یہ روایت الاستبصار ص ۶۱ ج ا میں بھی ہے)

گویا کہ میں اپنے باپ کی گدی میں عکنہ (لڑھکتا ہوا گوشت) کی جانب دیکھ رہا ہوں کہ اس پر وہ ہاتھ پھیر رہے تھے۔ اور میں نے وضوء میں سر کے اگلے حصے اور پچھلے حصے پر مسح کے بارہ میں پوچھا تو انھوں نے کہا گویا کہ میں اپنے باپ کی گردن کے لڑھکتے ہوئے گوشت کی جانب دیکھ رہا ہوں کہ وہ اس پر مسح کرتے تھے

جب شیعہ حضرات کے امام نے گردن کے لڑھکتے ہوئے گوشت پر ہاتھ پھیر کر اس کے مسح کا ذکر کیا اور سر کے آگے اور پیچھے کے حصہ کے مسح کے سوال کے جواب میں یہ کہا کہ میرا باپ گردن کے لڑھکتے ہوئے گوشت پر مسح کرتا تھا تو گردن کے مسح اور سارے سر پر مسح کا ثبوت تو شیعہ حضرات کے دو اماموں سے ہو گیا اس لئے کہ ایک امام اپنے باپ کا عمل نقل کر رہا ہے اور یہ دونوں باپ بیٹا شیعہ حضرات کے امام ہیں۔

☆......دسواں مسئلہ۔ کانوں کا مسح......☆

پروفیسر غلام صابر صاحب نے شیعہ حضرات کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا کہ کانوں کا مسح ثابت نہیں ہے۔ اس کے برخلاف ہے اہل سنت کا نظریہ یہ ہے کہ کانو ں کا مسح سنت ہے اس بارہ میں "الأذنان من الرأس" والی روایت کے بعض حوالے پہلے بیان کئے جا چکے ہیں۔ اور الأذنان من الرأس والی روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کنز العمال ج ۹ ص ۱۸۴ میں اور حضرت ابوامامہؓ۔ حضرت ابوھریرہؓ۔ حضرت عبداللہ بن زیدؓ۔ حضرت انسؓ۔ حضرت ابوموسیٰؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے کنز العمال ج ۹ ص ۱۹۴ میں بھی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے جو حضور علیہ السلام جیسا وضوء کر کے دکھایا تھا اس میں ہے "ومر بیدیه علی ظاهر اذنیه (کنز العمال ج ۲ ص ۲۵۱) اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کانوں کے ظاہر پر پھیرا۔

اور حضرت براء بن عازبؓ نے حضور علیہ السلام جیسا وضوء جو کر کے دکھایا اس میں

ہے "ثم مسح رأسه واذنيه ظاهرهما وباطنهما (کنز العمال ج۹ ص ۲۵۳ پھر اپنے سر اور دونوں کانوں کے ظاہر اور باطن کا مسح کیا۔

اور حضرت ربیع بنت معوذؓ نے جو حضور علیہ السلام کا وضوء بتایا اس میں ہے" ومسح اذنيه مع مؤخر رأسه (کنز العمال ص ۲۵۶ ج ۹) اور سر کے پچھلے حصہ کے ساتھ اپنے دونوں کانوں کا مسح کیا۔

اور حضرت ابن عباسؓ نے جو حضور علیہ السلام جیسا وضوء کر کے دکھایا اسمیں ہے" ثم مسح بها رأسه واذنيه (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۸) پھر اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا اور حضرت ابن عباسؓ کی کانوں کے مسح سے متعلق روایت ترمذی ج ۱ ص ۷ میں بھی ہے۔

☆......شیعہ کتب سے......☆

شیعہ حضرات کے ابو جعفر الطوسی روایت نقل کرتے ہیں کہ علی بن رئاب نے کہا کہ میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے پوچھا" الأذنان من الرأس قال نعم قلت فاذا مسحت رأسي مسحت اذني قال نعم (الاستبصار ج ۱ ص ۶۴) حاشیہ والے نے لکھا ہے کہ یہ روایت التھذیب ج ۱ ص ۱۸ میں بھی ہے) کیا کان سر میں سے ہیں تو فرمایا ہاں میں نے کہا جب میں سر کا مسح کروں تو کانوں کا مسح بھی کروں تو کہا ہاں۔ شیعہ حضرات بے شک اسکی تاویل یہ کریں کہ یہ تقیہ کی وجہ سے کیا تھا مگر اپنے آدمی کو مسئلہ بتانے میں تقیہ کا عذر بالکل فضول بات ہے۔

☆......گیارھواں مسئلہ۔ پاؤں کا دھونا......☆

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ اہل سنت وضوء میں پاؤں کو دھوتے ہیں جبکہ شیعہ پاؤں کا مسح کرتے ہیں پاؤں دھونے سے ان کا وضوء باطل ہو جاتا ہے (ص ۱۱)

اہل سنت جو وضوء میں پاؤں دھوتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ "حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طہارت کے لئے کئے گئے وضوء میں پاؤں کو دھویا ہے جبکہ

پاؤں ننگے ہوں اور اگر موزے پہنے ہوئے ہوں تو ان پر مسح کیا ہے۔ طہارت کے لئے کئے گئے وضوء میں کسی ایک دفعہ بھی ننگے پاؤں ہونے کی صورت میں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پاؤں پر مسح ثابت نہیں ہے اور اہل سنت قرآن کریم کے مفہوم کی عملی تفسیر وہی معتبر سمجھتے ہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء میں پاؤں دھونے کی روایات بے شمار ہیں ان میں سے حضرت عمرو بن عبسہ ؓ کی روایت ہے جس میں ہے کہ انھوں نے حضور علیہ السلام سے وضوء کا طریقہ دریافت کیا تھا تو اس روایت میں ہے ''ثم یغسل قدمیه الی الکعبین کما امره الله'' (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷) پھر ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھوئے جیسا کہ اللہ تعالی نے اس کا حکم دیا ہے۔ اور حضرت کعب بن مرۃ ؓ سے بھی اس قسم کی روایت تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۹ میں ہے۔ اور حضرت علی ؓ کا ارشاد ہے ''اغسلوا الأقدام الی الکعبین (تفسیر طبری ج ۶ ص ۱۲۶) ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھوؤ۔ حضرت علی ؓ نے جو حضور علیہ السلام جیسا وضوء کر کے دکھایا ان میں سے عبد خیر نے جو روایت کی ہے اس میں ہے ''وغسل رجلیه'' (مسند احمد ج ۱ ص ۱۲۳) اور عبد خیر ہی سے ایک روایت میں ہے ''ثم غسل رجلیه ثلاثا ثلاثا'' (مسند احمد ج ۱ ص ۱۲۵) اور ان ہی سے ایک روایت میں ہے ''وغسل قدمیه ثلاثا ثلاثا (مسند احمد ج ۱ ص ۱۵۴) اور اپنے پاؤں کو تین مرتبہ دھویا۔

اور حضرت عثمان ؓ نے جو حضور علیہ السلام جیسا وضوء کر کے دکھایا اس میں ہے ''وغسل قدمیه ثلاثا (مسند احمد ج ۱ ص ۶۱) اور ایک روایت میں ہے ''ثم غسل رجلیه الی الکعبین ثلاث مرات (مسند احمد ج ۱ ص ۶۸) پھر اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک تین مرتبہ دھوئے۔

اور حضرت رفاعہ بن رافع ؓ اور حضرت ابوھریرۃ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا" ویغسل رجلیه "(احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۲۳۶) اور اپنے دونوں پاؤں دھوئے اور پاؤں دھونے کی روایات تقریباً تمام حدیث کی کتابوں میں ہیں۔

☆......شیعہ کتب سے......☆

شیعہ حضرات کے شیخ الطائفہ الطوسی روایت نقل کرتے ہیں کہ ابو عبداللہ علیہ السلام سے ایسے آدمی کے بارہ میں پوچھا گیا جس نے باقی سارا وضوء کر لیا پھر اپنے پاؤں پانی میں ڈبو دیئے تو کیا اس کا وضوء جائز ہے تو انھوں نے کہا" اجزأه ذلک "کہ اس کے لیئے جائز ہے (الاستبصار ج ا ص ۶۵۔ تھذیب الاحکام ج ا ص ۶۶)

اور روایت جس میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وضو کیا تو اس روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا" وغسلت قدمی فقال لی یا علی خلل مابین الاصابع لا تخلل بالنار (تھذیب الاحکام ج ا ص ۹۳۔ الاستبصار ج ا ص ۶۶) اور میں نے اپنے پاؤں دھوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے علی انگلیوں کے درمیان خلال کرو تاکہ آگ خلال نہ کرے۔

اس روایت میں تقیہ کا عذر بالکل فضول ہے اس لئے کہ حضور علیہ السلام حضرت علیؓ کو تعلیم دے رہے ہیں اور حضرت علیؓ اس کے مطابق عمل کر رہے ہیں تو ڈر اور خوف کس کا کہ تقیہ کا تصور کیا جاسکے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ایوب بن نوح کہتے ہیں کہ میں نے ابو الحسن علیہ السلام کی جانب لکھا اور ان سے پاؤں پر مسح سے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا" الوضوء بالمسح ولا یجب فیه الا ذالک ومن غسل فلا باس (تھذیب الاحکام ج ا ص ۶۴۔ الاستیصار ج ا ص ۶۵) کہ وضوء میں واجب تو مسح ہی ہے اور جس نے پاؤں کو دھو لیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا" وان نسیت

مسح رأسک حتی تغتسل رجلیک فامسح رأسک ثم اغسل رجلیک (فروع کافی ج ۳ ص ۳۵)

اگر تو بھول کر سر کے مسح سے پہلے پاؤں دھولے تو (یاد آنے پر) سر کا مسح کر اور پھر اپنے پاؤں دھولے۔

جب شیعہ روایات میں بھی ان کے ائمہ سے پاؤں کا دھونا ثابت ہے تو پروفیسر صاحب اوران کے ہمنوا لوگوں کا پاؤں دھونے کی وجہ سے وضوء کو باطل قرار دینا سراسر ہٹ دھرمی اور تعلیمات ائمہ کی خلاف ورزی ہے۔

☆ ...... بارھواں مسئلہ۔ کیا وضوء میں پاؤں کا مسح جائز ہے؟ ...... ☆

پروفیسر غلام صابر صاحب لکھتے ہیں کہ شیعہ پاؤں کا مسح کرتے ہیں پاؤں دھونے سے ان کا وضوء باطل ہو جاتا ہے (ص ۱۱) مگر اہل سنت کے نزدیک طہارت کے لئے کئے گئے وضوء میں جبکہ پاؤں پر موزے نہ ہوں تو پاؤں پر مسح کرنے سے وضوء ہوتا ہی نہیں اس لئے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ انھوں نے طہارت کے لئے کئے گئے وضوء میں پاؤں پر مسح کیا ہو اسی لئے امام سیوطی رحمہ اللہ حکمؒ سے روایت نقل کرتے ہیں "مضت السنة من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمسلمین بغسل القدمین"، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی سنت پاؤں کے دھونے کی چلی آرہی ہے اور پھر امام سیوطیؒ نے حضرت عطاء سے نقل کیا ہے "لم ار احد ایمسح علی القدمین (تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۶۲) کہ میں نے کسی کو پاؤں پر مسح کرتے نہیں دیکھا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں کے بارہ میں واضح ارشاد موجود ہے جنھوں نے وضوء کرتے وقت پاؤں کا کچھ حصہ خشک چھوڑ دیا تھا ویل للاعقاب من النار۔ جوایڑیاں وضوء میں خشک رہ گئی ہیں ان کے لئے ویل یعنی جہنم کی وادی ہے یا

ان کے لئے بربادی ہے یہ روایت حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت یزید بن ابی سفیانؓ حضرت شرجیل بن حسنہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ سے ہے (کنز العمال ج۹ص ۱۸۵) اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے بخاری ج اص ۲۸ اور مسلم ج اص ۱۲۵ میں ہے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مسلم ج اص ۱۲۴ میں ہے اور حضرت ابوھریرہؓ سے ترمذی ج ا ص ۸ میں موجود ہے اور بعض روایات میں "ویل للعراقیب من النار" کے الفاظ ہیں (ابن ماجہ ص ۳۶۔ طحاوی ج اص ۲۳۔ مسند احمد ص ۳۶۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۳)

اسی لئے امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اگر پاؤں پر مسح کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم "ویل للا عقاب سے وعید نہ فرماتے (معالم السنن ج اص ۸۶)

☆...... شیعہ کتب سے ...... ☆

شیعہ حضرات کی تھذیب الاحکام اور الاستبصار کے حوالہ سے پہلے یہ روایت بیان کی جا چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ انگلیوں کے درمیان خلال کرو تا کہ جھنم کی آگ ان میں داخل نہ ہو۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وضوء میں مسح کافی نہیں ہے ورنہ انگلیوں کے درمیان خلال نہ کرنے کی وجہ سے جھنم کی آگ داخل ہونے کی وعید نہ ہوتی۔

☆...... تیرھواں مسئلہ۔ اختلاف قرأت ...... ☆

پروفیسر غلام صابر صاحب لکھتے ہیں جب عربوں نے دوسرے ممالک کو فتح کیا اور غیر عرب یعنی عجم کے لئے قرآن خوانی میں دقتیں پیدا ہوئیں تو حجاج بن یوسف ثقفی کے دور میں قرآن پر اعراب لگائے گئے اس لئے قرآن کے اعراب اور قرآن کی قراءت کے بارے میں علماء کا اختلاف رہا ہے (ص ۳۰) پھر آگے پروفیسر صاحب سوالیہ انداز میں لکھتے ہیں کہ قرآن کی قراءت کا اختلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے کتنی دیر بعد ہوا؟ (ص ۳۳) پروفیسر صاحب نے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ قرأت کا اختلاف حضور علیہ السلام کے انتقال کے بعد اور

بالخصوص حجاج بن یوسف کے قران کریم پر اعراب لگانے کی وجہ سے ہوا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اسلئے کہ قراءت کا اختلاف تو حضور ﷺ نے خود بتلایا جیسا کہ حضرت عمرؓ کی روایت کہ ہشام بن حکیمؓ کو میں نے ایسے انداز سے پڑھتے دیکھا جس انداز سے حضور علیہ السلام نے مجھے نہیں سکھایا تھا تو میں اسکو پکڑ کر حضور ﷺ کے پاس لے گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہشامؓ سے فرمایا کہ تم پڑھو تم کیسے پڑھ رہے تھے جب انھوں نے پڑھ کر سنایا تو آپ نے فرمایا "ھکذا انزلت" یہ تو اسی طرح اتارا گیا ہے پھر مجھے فرمایا کہ تم پڑھو تو میں نے اسی طرح پڑھ کر سنایا جس کے مطابق آپ نے مجھے تعلیم دی تھی تو آپ نے فرمایا "ھکذا انزلت" یہ تو اسی طرح اتارا گیا ہے پھر آگے فرمایا "ان القرآن انزل علی سبعة احرف فاقرؤا ماتیسر منه (بخاری ج ۱ ص ۳۲۶۔ ترمذی ج ۲ ص ۱۱۸) بے شک قرآن کریم سات قراءتوں میں اتارا گیا ہے جو آسان لگے اس میں پڑھو۔ اس روایت سے واضح ہو گیا کہ جو قرائتیں مشہور ہیں ان قراءتوں میں اختلاف حضور علیہ السلام کے انتقال کے بعد نہیں ہوا بلکہ یہ اختلاف حضور ﷺ کے عہد مبارک میں بھی تھا اور ان میں سے ہر ایک کے مطابق پڑھنے کی اجازت تھی۔

منکرین حدیث احادیث پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حدیث کی کتابیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بہت عرصہ بعد لکھی گئیں اس لئے ان کا کیا اعتبار ہے؟

ان کے جواب میں علماء کرام نے فرمایا کہ کیا جو روایات حدیث کی کتابوں میں محدثین کرامؒ نے لکھی ہیں تو کیا وہ لکھنے سے پہلے نہ تھیں؟ جب حضور ﷺ کے زمانہ سے نقل ہوتی ہوتی کتابیں لکھنے والوں تک پہنچ گئیں اور لکھنے والوں نے کتابیں لکھ دیں تو اس لکھنے کی وجہ سے احادیث پر اعتراض تو نری حماقت ہے

اسی طرح ہم پروفیسر صاحب سے گذارش کرتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے کہ قرآن کریم پر اعراب حجاج بن یوسف کے دور میں لگائے گئے ہیں مگر ان اعراب کے مطابق

قرآن کریم کی تلاوت کیا اعراب لگانے سے پہلے نہیں ہوتی تھی اگر ہوتی تھی اور یقیناً ہوتی تھی۔ اور یہی معروف و مشہور قرأت تھی تو (اعراب اس دور میں لگتے یا بعد میں لگتے یا بالکل ہی نہ لگتے اس سے پہلے سے جاری قراءت کے مطابق قراءت پر اعتراض کیسے ہوسکتا ہے؟ اعتراض کا یہ انداز تو سراسر منکرین حدیث کے انداز جیسا ہے۔

☆......قراء سبعہ کا تذکرہ......☆

پروفیسر صاحب نے اپنی اس کتاب میں قراء سبعہ کا تعارف بھی کرایا ہے جو انھوں نے ''مولانا محمد تقی عثمانی دام مجدہم'' کی کتاب تاریخ فقہ سے نقل کیا ہے اور پھر لکھا ہے کہ ''ان سات قاریوں میں سے بعض نے اَرْجُلِکُمْ لام کسرہ کے ساتھ اور بعض نے اَرْجُلَکُمْ لام کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔

☆......پروفیسر صاحب کا دعوی......☆

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ یہ بھی واضح رہے کہ شیعہ کے نزدیک دونوں اعراب درست ہیں اگر ارجلِکم کے لفظ پر زیر پڑھی جائے یا زبر پڑھی جائے دونوں صورتوں میں پاؤں کا مسح کرنا واجب ہے (ص ۳۵)

اس عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پروفیسر صاحب یہ دعوی کر رہے ہیں کہ دونوں قراءتوں کی صورت میں شیعہ کا اس پر عمل ہے حالانکہ قاعدہ کے مطابق ان کا یہ دعوی درست نہیں ہے اس لئے کہ اگر ارجُلَکم کا عطف ایدیکم پر کر کے اس کو دھونے والے اعضاء میں شامل کیا جائے جیسا کہ اہل سنت کرتے ہیں تو اس پر شیعہ حضرات کا عمل نہیں اس لئے کہ وہ پاؤں کے دھونے کے قائل ہی نہیں۔ اور اگر اسکو براہ راست ''وامسحوا کا مفعول بنایا جائے جیسا کہ خود پروفیسر صاحب نے بھی لکھا ہے کہ اگر ارجُلَکم کے لام پر زبر پڑھی جائے تو پھر پاؤں کا مسح کرنا واجب ہے۔ ارجُلَکم لفظ وامسحوا کا مفعول ہے لہذا زبر درست ہے (ص ۳۹)

یہ لکھتے وقت شاید پروفیسر صاحب اپنا نظریہ بھول گئے ہیں کہ ان کے

نزدیک پاؤں کے بعض حصہ کا مسح واجب ہے جبکہ ارجُلَکم کو وامسحوا کا مفعول بنانے کی صورت میں سارے پاؤں کا مسح کرنا ضروری ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بعضیت تو اس باء کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے جو برؤسکم میں ہے۔

جیسا کہ خود پروفیسر صاحب لکھتے ہیں ان اقوال سے اور برؤسکم کی ب سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ سر کے بعض حصے کا مسح کرنا چاہئے

چنانچہ صاحب منتھی الارب لکھتے ہیں کہ وامسحوا برؤسکم کی ب بھی اسی طرح بعضیت کے معنی دیتی ہے (ص ۲۸) اور ایک مقام میں لکھتے ہیں "برؤسکم کی ب بعضیت کے معنی دیتی ہے (ص ۳۳) جب ب بعضیت کا معنی دیتی ہے اور ارجلکم کو باء کے تحت شامل ہی نہیں کیا گیا بلکہ براہ راست وامسحوا کا مفعول بنایا گیا ہے تو اسکی حیثیت ایسی ہوگئی جیسی فاغسلوا وجوھکم کی ہے اور چہرہ سارا دھونا ضروری ہے تو پاؤں سارے کا مسح بھی پروفیسر صاحب اور ان کے طبقہ کے ہاں ضروری ہونا چاہیے حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں ہیں اس لئے کہ انھوں نے خود لکھا ہے کہ پاؤں کا مسح جس قدر بھی ہو کافی ہے اگرچہ ایک انگلی ہو (ص ۱۶) اس لئے یہ دعوی غلط ہے کہ ارجُلکم کے لام کے فتحہ کی صورت میں بھی شیعہ حضرات کا اس پر عمل ہے۔

☆......اہل سنت کا نظریہ......☆

اہل سنت والجماعت کے نزدیک ارجلکم میں لام کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں قرأتیں درست ہیں مگر لام کے فتحہ کے ساتھ قرأت زیادہ مشہور ہے اور وارجلکم کا عطف ایدیکم پر ہے جو کہ ان اعضاء میں سے ہے جن کو دھویا جاتا ہے اور پاؤں بھی دھوئے جانے والے اعضاء میں سے ہے۔

اور اسکی تائید حضرت عمرو بن عبسہؓ کی روایت کرتی ہے کہ انھوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب وضوء کے بارہ میں پوچھا تو آپ نے جواب میں یہ بھی فرمایا "ثم یغسل قدمیه الی الکعبین کما امره الله تعالی (صحیح ابو عوانہ ص

۲۴۵۔ ۲۴۶ ج ا۔ ابن خزیمہ ج اص ۸۵) پھر وہ اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوئے جیسا کہ اس کو اللہ تعالی نے حکم دیا ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمادی کہ قرآن کریم میں وارجلکم میں پاؤں کے دھونے کا حکم ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جس کے پاؤں پر ایک درہم برابر جگہ ایسی تھی جس پر پاؤں دھونے نے دوران پانی نہیں پہنچا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دوبارہ وضوء کرنے کا حکم فرمایا (ابوداؤد ج اص ۲۳) اور اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس نے وضوء کرتے ہوئے اپنے پاؤں کی ایک ناخن برابر جگہ خشک چھوڑ دی تھی تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ دکھایا تو آپ نے فرمایا ارجع فاحسن وضؤک (مسلم ص ۲۲۵ ج ا۔ ابوداؤد ج اص ۲۳) جاؤ جا کر اچھے طریقے سے وضوء کرو اگر پاؤں کا وضوء میں دھونا ضروری نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسکو دوبارہ وضوء کرنے کا حکم نہ فرماتے اور آپ کا فرمان ہی قرآن کریم کی تفسیر ہے۔

اعتراض...... ☆ اگر وضوء میں پاؤں کا دھونا ضروری ہوتا تو اسکو دھوئے جانے والے اعضاء چہرہ اور ہاتھوں کے ساتھ ذکر کیا جاتا حالانکہ اس کو سر کے مسح کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔

جواب...... ☆ ایسا اس لئے کیا گیا تا کہ ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے اور وضوء میں ترتیب کا لحاظ کم از کم سنت ہے۔

☆......اہل سنت کا ارجلِکم کی قرأت کے بارہ میں نظریہ......☆

اگر ارجلِکم میں لام کا کسرہ پڑھا جائے تو یہ قراءت بھی اہل سنت کے نزدیک درست ہے پروفیسر صاحب نے جتنے قراء اور مفسرین کے حوالے دیئے ہیں کہ یہ ارجلکم میں لام کے کسرہ سے قرأت کرتے تھے تو بالکل درست ہے کہ وہ اسی انداز سے قراءت کرتے تھے مگر ان میں سے کوئی بھی طہارت کے لئے کیئے گئے وضوء

میں ننگے پاؤں ہونے کی صورت میں پاؤں کے مسح کا قائل نہیں تھا اور نہ ہی ان میں سے کسی سے ایسا ثابت ہے۔ اور جن لوگوں کے بارہ میں مثلاً حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ کے بارہ میں جو آتا ہے کہ وہ مسح کے قائل تھے تو ان کے بارہ میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں "وقد صح الرجوع عنهم" (فتح الباری ج ا، ص ۲۱۳) کہ ان سے رجوع ثابت ہے۔

☆......اہل سنت کا عمل اور ارجلِکم کی قرأت......☆

ارجلکم میں لام کے کسرہ کی قراءت کو مدنظر رکھتے ہوئے اہل سنت کی جانب سے اس کی کئی طرح وضاحتیں کی گئی ہیں۔

پہلی وضاحت......☆ یہ کہ ارجلکم میں کسرہ جر جوار کی وجہ سے ہے اور جر جوار کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ لفظاً اس کا تعلق قریب سے ہوتا ہے لیکن معنیً اس کا تعلق پہلے سے ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ارجلکم میں اعراب کے لحاظ سے اس کا تعلق روسکم کے ساتھ ہے مگر معنی یعنی حکم کے لحاظ سے اس کا تعلق ایدیکم کے ساتھ ہے اور اسکی مثالیں کلام عرب میں بے شمار ملتی ہیں۔

☆......پروفیسر صاحب کا پیش کردہ نقشہ......☆

پروفیسر صاحب نے ایک نقشہ پیش کیا ہے جس میں انھوں نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ارجلکم کا تعلق ایدیکم پر عطف کر کے فاغسلوا کے ساتھ نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا تعلق وامسحوا کے ساتھ ہی ہوگا۔ انھوں نے نقشہ یوں پیش کیا ہے۔

فاغسلوا (فعل) وجوهكم (مفعول) وايديكم الى المرافق (مفعول) وامسحوا (فعل) بروسكم (مفعول) وارجلكم الى الكعبين (مفعول) (انتم فاعل پوشیدہ ہے)۔ یہ نقشہ پیش کر کے پروفیسر صاحب لکھتے ہیں یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک جملہ کے مفعول کے اپنے فعل کو چھوڑ کر اس کا تعلق کسی اور جملہ کے فعل سے جوڑ دیا جائے (ص ۳۷) اور اس سے قبل پروفیسر صاحب نے

لکھا کہ ہم حیران ہیں کہ سکول میں چند کلاسیں پڑھنے والا بچہ بھی یہ جانتا ہے کہ ہر زبان کا جملہ فعل فاعل اور مفعول سے مکمل ہوتا ہے الخ۔ مگر ہمیں حیرانگی یہ ہے کہ ہمارے درس نظامی میں علم الصرف پڑھنے والا پہلے سال کا طالب علم بھی جانتا ہے کہ امر حاضر معلوم کی گردان میں جمع کے صیغہ کا آخری حرف جو ضمیر ہوتا ہے وہی فاعل بنتا ہے اس لحاظ سے فاغسلوا اور وامسحوا کے آخر میں واو ضمیر بارز ہی فاعل ہے مگر پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ انتم فاعل پوشیدہ ہے اور ہماری پروفیسر صاحب سے درخواست ہے کہ علم نحو کی ضربنی واکرمنی زید۔ اور ضربت واکرمت زیدا کی ابحاث کسی عالم سے پڑھ لیں تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ایک فعل کے ساتھ مل کر آنے والے اسم کا تعلق قریب والے فعل سے چھوڑ کر پہلے فعل کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

دوسری وضاحت...... ☆ یہ کہ ارجلَکم لام کے فتحہ سے قرأت اس حالت پر محمول ہے جبکہ پاؤں پر موزے نہ ہوں اس حالت میں پاؤں دھوئے جائیں گے اور ارجلِکم کی قرأت اس حالت پر محمول ہوگی جبکہ پاؤں پر موزے ہوں اس حالت میں مسح کیا جائیگا (تفسیر قرطبی ج۶ ص ۹۳)

تیسری وضاحت...... ☆ یہ کہ پہلے اس کی گنجائش تھی کہ مسح کر لیا جائے مگر بعد میں اس کو منسوخ کر دیا گیا (چنانچہ مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں "وادعی الطحاوی وابن حزم ان المسح منسوخ" (تحفۃ الاخوذی ج۱ ص ۵۰) امام طحاوی اور علامہ ابن حزم نے دعوی کیا ہے کہ بے شک پاؤں پر مسح کرنا منسوخ ہے) اور حکم منسوخ ہونے کے باوجود اس کی قرأت درست ہے جیسا کہ قرآن کریم میں سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۰ میں ہے کہ آدمی مرتے وقت والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے وصیت ضرور کرے مگر پھر وراثت کے احکام نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا وصیت لوارث" کہ وارث کے حق میں وصیت کرنا درست نہیں اب اس آیت کی تلاوت باقی ہے مگر اس کا حکم منسوخ ہے اسی طرح ارجلِکم کی قراءت لام کے کسرہ سے باقی ہے مگر

اس کا حکم منسوخ ہے اور نسخ کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی اس روایت کو بنایا جا سکتا ہے جس میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ سفر کے دوران ہم سے پیچھے رہ گئے اور عصر کی نماز کا وقت قریب تھا "فجعلنا نتوضأ ونمسح علی ارجلنا فنادی باعلی صوته ویل للاعقاب من النار مرتین او ثلاثا (بخاری ج ۱ ص ۲۸) پس ہم نے وضوء کیا اور اپنے پاؤں پر مسح کیا تو آپ ﷺ نے بلند آواز سے دو یا تین مرتبہ فرمایا کہ جو ایڑیاں خشک رہ گئیں ان کے لئے جہنم کی وادی ویل ہے اور ایک روایت کے الفاظ ہیں "کنا نمسح علی ارجلنا" کہ ہم اپنے پاؤں پر مسح کر لیا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کا عمل بتاتا ہے کہ پہلے اس کی گنجائش تھی مگر جب حضور ﷺ نے ویل للاعقاب من النار کی وعید فرمائی تو اس سے پاؤں پر مسح کرنے کی گنجائش باقی نہ رہی۔

چوتھی وضاحت ...... ☆ یہ کہ بے شک ارجلِکم کی لام کے کسرہ سے قرأت ہے اور یہ برؤسکم کی با کے تحت داخل ہو کر وامسحوا کے ساتھ متعلق ہے اور پاؤں کا مسح ہے مگر پاؤں کے مسح سے غسل خفیف مراد ہے یعنی زیادہ شدت سے نہیں بلکہ ہلکے پھلکے انداز سے اس طرح دھونا کہ کوئی جگہ خشک باقی نہ رہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ فعل ایک ہی ہو مگر دو فاعل یا دو متعلق یا دو مفعول کی حیثیت الگ الگ ہونے کی وجہ سے اس فعل کی نوعیت مختلف ہو جائے۔ جیسا کہ ان اللہ وملائکته یصلون علی النبی میں صلوۃ فعل ہے اور اللہ تعالی اور فرشتے اس کے فاعل ہیں مگر اللہ تعالی کی صلوۃ اور نوعیت کی ہے اور فرشتوں کی صلوۃ اور نوعیت کی ہے اسی طرح قرآن کریم میں زین للناس حب الشهوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرة (سورۃ آل عمران آیت ۱۴) کہ لوگوں کیلئے عورتوں بیٹوں اور خزانوں کے بارہ میں خواہشات کی محبت مزین کی گئی ہے اس میں مزین کیا جانا فعل ہے اور خواہشات کی محبت اس کا نائب فاعل ہے مگر عورتوں سے خواہشات کی محبت اور نوعیت کی ہے۔ بیٹوں سے اور نوعیت کی اور خزانوں سے اور نوعیت کی ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں ہے واطیعو

اللہ ورسولہ (سورۃ الانفال آیت نمبر ۱) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔اس میں اطاعت فعل ہے واؤ ضمیر بارز اس کا فاعل ہے اور اللہ ورسولہ اس کے مفعول ہیں ۔مگر اللہ کی اطاعت اور نوعیت کی ہے اور رسول کی اطاعت اور نوعیت کی ہے اس لئے کہ رسول کی اطاعت اقوال وافعال دونوں میں ہے جبکہ اللہ تعالی کے افعال میں اطاعت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔بعینہ اسی طرح وامسحوا برؤسکم وارجلکم میں بے شک سر اور پاؤں کے مسح کا حکم ہے مگر سر کے مسح کی نوعیت اور ہے اور پاؤں کے مسح کی نوعیت اور ہے اور جن حضرات نے پاؤں کے مسح کا قول کیا ہے انہوں نے بھی پاؤں کے مسح کو سر کے مسح کی طرح نہیں سمجھا جیسا کہ حضرت انسؓ کے بارہ میں ہے کہ انھوں نے ارجلکم کو لام کے کسرہ سے پڑھا جبکہ ان کا عمل یہ ہے اذا مسح قدمیہ بلّھما (تفسیر طبری ج ۶ ص ۱۲۸، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۵) کہ جب وہ اپنے پاؤں کا مسح کرتے تو ان کو تر کرتے اور اسی کو غسل خفیف کہا جاتا ہے اس لئے ارجُلِکم کے لام کے کسرہ کی صورت میں بھی اہل سنت کا نظریہ بالکل واضح ہے۔

پروفیسر صاحب کا سوال...... ☆ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ اہل سنت کے معتبر عالم فخر الدین رازی نے ارجلکم کی بحث سے کیا نتیجہ نکالا؟ (ص ۴۰)

جواب...... ☆ پروفیسر صاحب سے گذارش ہے کہ جس عبارت کو وہ امام رازی کی بحث کا نتیجہ قرار دے رہے ہیں وہ ان کی بحث کا نتیجہ نہیں بلکہ اس عبارت میں انہوں نے ایک طبقہ کا نظریہ پیش کیا ہے اور پھر واعلم کے الفاظ سے مخاطب کو توجہ دلا کر فرمایا کہ مخالفین کے نظریہ کا جواب دو طرح دیا جا سکتا ہے اور یہی ان کی بحث کا نتیجہ ہے" ﴿الاول﴾ ان الاخبار الکثیرۃ وردت بایجاب الغسل والغسل مشتمل علی المسح ولا ینعکس فکان الغسل اقرب الی الاحتیاط فوجب المصیر الیہ وعلی ھذا الوجہ یجب القطع بان غسل الرجل یقوم مقام مسحھا ﴿والثانی﴾ ان الرجلین محدود الی الکعبین

والتحدید انما جاء فی الغسل لافی المسح (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۶۲) پہلی وجہ یہ ہے کہ بے شک اکثر احادیث پاؤں دھونے کے وجوب پر وارد ہوئی ہیں اور دھونا مسح کو مشتمل ہے اور اس کا الٹ نہیں ہو سکتا اس لئے احتیاط کے زیادہ قریب دھونا ہی ہے اس لئے اس کی جانب جانا واجب ہے اور اس صورت میں پختہ یقین ہو جاتا ہے کہ پاؤں کا دھونا اس کے مسح کے قائم مقام ہے (یعنی پاؤں دھونے سے ضمناً مسح بھی ہو جاتا ہے) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ پاؤں کے دھونے کو کعبین تک محدود کیا گیا ہے اور تحدید دھونے میں تو آتی ہے۔ مسح کے بارہ میں تحدید نہیں آئی۔۔۔۔۔۔۔۔ پروفیسر صاحب غور فرمائیں کہ امام رازیؒ تو پاؤں دھونے کو واجب فرما رہے ہیں اور یہی اپنی بحث کا نتیجہ نکال رہے ہیں۔

☆...... چودھواں مسئلہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضوء...... ☆

ہم نے وضوء کا مسنون طریقہ کی بحث میں با حوالہ حضور علیہ السلام کے وضوء کے بارہ میں ذکر کر دیا ہے یہاں ہم ان روایات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں جو پروفیسر غلام صابر صاحب نے ذکر کی ہیں چنانچہ انھوں نے ایک عنوان قائم کیا رسولؐ خدا کا وضوء بروایت حضرت امام علیؑ ۔۔۔۔ اور اس نے انھوں نے لکھا کہ روایت میں ہے ومسح رأسه ورجلیه الی الکعبین اور حوالہ مسند احمد ج ۱ ص ۱۵۸ کا دیا ہے (ص ۴۱)

پروفیسر صاحب پر تعجب ہے کہ وہ بروایت حضرت علی حضور علیہ السلام کا وضوء ثابت کر رہے ہیں تو وہ پوری روایت میں جو بیان کیا گیا ہے اس کو حضور علیہ السلام کا وضوء تسلیم کریں۔

اس میں ہاتھوں کا تین مرتبہ دھونا بھی ذکر ہے جبکہ پروفیسر صاحب لکھ چکے ہیں کہ ہاتھوں کو تین بار دھونا حرام ہے اور پھر جو عبارت پروفیسر صاحب نے پیش کی ہے اسمیں "ورجلیه الی الکعبین کے بعد بھی ثلاثا کے الفاظ ہیں مگر پروفیسر صاحب نے ان الفاظ کو ذکر کرنا بھی پسند نہیں کیا۔ اس روایت سے پروفیسر صاحب کا پاؤں

پر مسح کرنے کو دلیل بنانا درست نہیں اس لئے اس میں کوئی وضاحت نہیں کہ پاؤں پر مسح کیا تھا بلکہ ثلاثا کے الفاظ اس بات کا قرینہ ہیں کہ پاؤں دھوئے تھے اس لئے کہ جن اعضاء کا مسح ہے ان میں تثلیث نہیں بلکہ تثلیث (تین مرتبہ) ان اعضاء میں ہے جو دھوئے جاتے ہیں۔ جبکہ ابو مطر کے علاوہ دیگر راوی جب حضرت علیؓ کے وضوء کا بیان کرتے ہیں تو وضاحت سے "وغسل قدمیہ ثلاثا کے الفاظ نقل کرتے ہیں جیسا کہ عبد خیر نے روایت کرتے ہوئے کہا "ثم صب بیدہ الیمنی ثلاث مرات علی قدمہ الیمنیٰ ثم غسلھا بیدہ الیسری ثم صب بیدہ الیمنیٰ علیٰ قدمہ الیسریٰ ثم غسلھا بیدہ الیسری ثلاث مرات (مسند احمد ج ۱، ص ۱۳۵) پھر اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ تین مرتبہ اپنے دائیں پاؤں پر پانی بہایا پھر اس کو تین مرتبہ بائیں ہاتھ کے ساتھ دھویا۔ پھر اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں پاؤں پر پانی بہایا پھر اسکو تین مرتبہ بائیں ہاتھ کے ساتھ دھویا۔ اور عبد خیر ہی کی روایت میں ہے "وغسل رجلیہ ثلاثا" (مسند احمد ج ۱ ص ۱۳۹) اور عبد خیر ہی کی روایت میں ہے "ثم غسل الیمنی ثلاثا ورجلہ الشمال ثلاثا (مسند احمد ج ۱ ص ۱۵۴) پھر دایاں پاؤں تین مرتبہ کا اور بایاں پاؤں تین مرتبہ دھویا۔ جب ان روایات میں پاؤں دھونے کی وضاحت ہے اور پروفیسر صاحب نے جو روایت پیش کی ہے اس میں دھونے کا قرینہ موجود ہے تو اس کو بھی دھونے پر ہی محمول کیا جائے گا۔

دوسری روایت...... ☆ پروفیسر صاحب روایت دوم کا عنوان قائم کر کے نزال بن سبرہ کی سند سے حضرت علیؓ کی وضوء والی روایت سے ومسح برأسہ ورجلیہ کے الفاظ سے دلیل پکڑتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے سر اور پاؤں کا مسح کیا اور حوالہ جصاص اور مسند احمد کا دیا ہے مگر پروفیسر صاحب کے انداز پر تعجب ہوا کہ اگر وہ واقعی اس مسئلہ میں تحقیق واضح کر رہے ہیں تو ان کو بددیانتی سے کام نہیں لینا چاہیے تھا بلکہ بات پوری نقل کرنی چاہیے تھی تاکہ مسئلہ کی وضاحت ہو جاتی اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں جن کو پروفیسر صاحب نے ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا جن دو کتابوں کے حوالے پر پروفیسر

صاحب نے دیے ہیں ان دونوں میں یہ الفاظ موجود ہیں ''وقال ھذا وضوء من لم یحدث (تفسیر احکام القرآن للجصاص ج ۲، ص ۳۴۷، مسند احمد ج ۱، ص ۱۲۰) اور فرمایا کہ یہ اس شخص کے لئے وضوء جو پہلے سے بے وضوء نہ ہو۔ اور یہی روایت تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۔ میں بھی ہے اور اسمیں ہے کہ یہ اس شخص کے لئے وضوء ہے جو کہ محدث (بے وضو) نہ ہو۔

☆......شیعہ کتاب سے حوالہ......☆

حماد بن عثمان سے روایت ہے کہ میں ابو عبداللہ علیہ السلام کے پاس بیٹھا تھا تو انہوں نے وضوء کیا اور اس روایت میں الفاظ ہیں ''ثم مسح علی رأسه ورجلیه وقال ھذا وضوء من لم یحدث حدثا (فروع کافی ج ۳ ص ۲۷) پھر اپنے سر اور پاؤں کا مسح کیا اور کہا کہ یہ اس شخص کے لئے وضوء ہے جو بے وضوء نہ ہو۔

اور اس بارہ میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں کہ اگر آدمی بے وضوء نہ ہو بلکہ طاہر ہو تو وہ نئے وضوء میں پاؤں یا چہرہ پر مسح کر سکتا ہے جیسا کہ حضرت (نزال بن سبرہ کی روایت میں حضرت علیؓ کے وضوء کا ذکر یوں ہے ''فاخذ حفنة من ماء فمسح یدیه وذراعیه ووجهه رأسه ورجلیه '' (مسند احمد ج ۱ ص ۱۳۹، ۱۴۴، ۱۵۹) پھر ایک لپ پانی لیکر اپنے ہاتھوں اور کلائیوں اور چہرے اور سر اور اپنے پاؤں کا مسح کیا اور آخر میں فرمایا ''ھذا وضوء من لم یحدث '' یہ اس شخص کو وضوء ہے جو پاک ہو۔

ابو مطر اور نزال کی توثیق......☆ پروفیسر صاحب نے خوامخواہ رعب جمانے کے لئے ابو مطر اور نزال کی توثیق سے صفحات بھرے ہیں حالانکہ ان روایات میں اصل جو بات ہے اس کو پروفیسر صاحب نے نظر انداز کر دیا ہے۔ ابو مطر کی روایت میں وضاحت ہی نہیں کہ ''پاؤں کا مسح کیا تھا'' اور نزال بن سبرہ کی روایت میں یہ وضاحت ہے کہ وہ وضوء طہارت کی حالت میں تھا۔

تیسری روایت......☆ پروفیسر صاحب روایت سوم کا عنوان قائم کر کے ابو ظبیان

کی سند سے حضرت علیؓ کے وضوء کی روایت کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں "ومسح علی نعلیه وقدمیه ثم دخل المسجد فخلع نعلیه ثم صلی" (ص۴۴) حضرت علیؓ سے وضوء سے متعلق جو روایات منقول ہیں ان سب میں پاؤں دھونے کا ذکر ہے تو یہاں "مسح علی نعلیه وقدمیه" کا معنی بھی ان روایات کے پیش نظر دھونا ہی کریں گے اور عربی زبان میں غسل خفیف پر مسح کا اطلاق موجود ہے جیسا کہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں "ان المسح یطلق علی الغسل الخفیف" (تفسیر ابن کثیر ج۲، ص۲۶) کہ غسل خفیف پر مسح کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

چوتھی روایت ...... ☆ پروفیسر صاحب نے روایت چہارم کا عنوان قائم کر کے عبد خیر کی سند سے حضرت علیؓ کے وضوء والی روایت جو مسند احمد کے حوالہ سے ہے اس میں "ومسح علی ظهر قدمیه کے الفاظ نقل کیے ہیں کہ اپنے پاؤں کے ظاہر پر مسح کیا (ص۴۵) پروفیسر صاحب کی دیانت پر حیرانگی ہے کہ اس روایت میں بھی "هذا وضوء من لم یحدث" (مسند احمد ج۱ ص۱۱۶) کے الفاظ نقل کرنا انھوں نے مناسب نہیں سمجھا۔ کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ اس شخص کا وضوء ہے جو پہلے سے پاک ہو ۔۔۔۔۔ جب پروفیسر صاحب نے بنیادی نکتہ سے ہی آنکھیں بند کر لی ہیں تو روایت کے راویوں کی توثیق کا کیا فائدہ؟ اور پھر جس عبد خیر کی توثیق انھوں نے نقل کی ہے اسی عبد خیر سے حضرت علیؓ کے وضوء کے بارہ میں "وغسل قدمیه" کے الفاظ موجود ہیں جن کے حوالے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

☆ ...... ابن ماجہ کی روایت پر جرح ...... ☆

پروفیسر صاحب نے ابن ماجہ کی ابو حیہ کی سند سے حضرت علیؓ کے وضوء والی روایت جس میں "غسل قدمیه الی الکعبین" کے الفاظ ہیں اس پر جرح نقل کرتے ہوئے لکھا کہ ابو حیہ غیر معروف راوی ہے مگر ہماری پروفیسر صاحب سے درخواست ہے کہ وہ ابو حیہ والی روایت کو نہ لیں بلکہ اپنے پسندیدہ راوی عبد خیر کی سند سے ہی

روایت کو لے لیں جس میں پاؤں دھونے کا ذکر ہے اور ان روایات کو با حوالہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

☆...... پندرھواں مسئلہ۔ حضرات صحابہ کرامؓ کا وضوء...... ☆

جناب پروفیسر غلام صابر صاحب نے ''اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم'' کا وضوء کا عنوان قائم کیا اور پھر ''حمران کی سند سے حضرت عثمان بن عفانؓ کی مسند احمد کے حوالہ سے روایت نقل کی جس میں ہے'' پھر سر اور پاؤں کے اوپر مسح کیا (ص ۵۰)

جناب پروفیسر صاحب نے جو روایت ذکر کی ہے اس کی سند میں قتادہؒ ہیں جو ''عن سے روایت کرتے ہیں اور قتادہ مدلس ہیں جب وہ عن سے روایت کریں اور روایت بھی صحیحین کی نہ ہو تو ان کی روایت معتبر نہیں سمجھی جاتی جیسا کہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں'' ان قتادة مدلس لا یحتج بعنعنته (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۶۱) بے شک قتادہ مدلس ہیں ان کی عن سے روایت قابل احتجاج نہیں اس کے برخلاف حمران ہی سے روایت ''حضرت عثمانؓ کے وضوء کی جو بخاری میں ہے اس میں ''ثم غسل رجلیه ثلث مرار الی الکعبین'' کے الفاظ ہیں (بخاری ج ۱ ص ۲۸) پھر حضرت عثمانؓ نے اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک تین بار دھوئے ۔۔۔۔ اور پھر حضرت عثمانؓ کی روایت میں پاؤں دھونے ہی کا ذکر ہے ملاحظہ ہو مسند احمد ج ۱ ص ۶۱ ۔ ج ۱ ص ۶۶، ج ۱ ص ۶۸ اور کنز العمال ج ۹ ص ۲۵۱) جب حضرت عثمانؓ سے صحیح روایات میں پاؤں دھونے کا ذکر ہے تو کمزور روایت کو ان کے مقابلہ میں کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے ۔۔۔۔ اور مسند احمد ج ۱ ص ۶۷ کا جو حوالہ پروفیسر صاحب نے دیا ہے اسمیں ''ورجلیه ثلاثا ثلاثا'' ہے جو اس بات کا قرینہ ہے کہ پاؤں کو دھویا گیا ہے اس لئے کہ مسح تین تین مرتبہ نہیں کیا جاتا۔

☆...... حضرت عبداللہ بن عباسؓ...... ☆

یہی عنوان قائم کر کے پروفیسر صاحب نے لکھا کہ حضرت ابن عباسؓ نے

فرمایا کہ آیت میں "پاؤں کا مسح کرنے" کا حکم آیا ہے۔ نیز فرمایا کہ اللہ تعالی نے دو اعضاء دھونے اور دو اعضاء کے مسح کرنے کو فرض قرار دیا ہے (ص ۵۲) ہم پہلے فتح الباری ج ۱ ص ۲۱۳ کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ ان کا رجوع ثابت ہے۔

پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ حضرت ابن عباسؓ " ارجلکم " کی قرأت کرنے کے باوجود پاؤں کو دھونے کے قائل تھے جیسا کہ وضوء سے متعلق ان کی روایات میں ہے۔ ایک روایت میں ہے "اذا توضأت فخلّل اصابع یدیک ورجلیک" (کنز العمال ج ۹ ص ۱۸۲) جب تو وضوء کرے تو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کے درمیان خلال کیا کر۔ اور خلال دھونے میں کیا جاتا ہے مسح میں نہیں۔ اور ایک اور روایت میں ہے "واجعل الماء بین اصابع یدیک ورجلیک" (کنز العمال ج ۹ ص ۱۸۴) اور اپنے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کے درمیان پانی ڈال۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے وضوء کیا تو آخر میں فرمایا کہ میں نے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضوء کرتے دیکھا ہے اس روایت میں ہے کہ انھوں نے پاؤں دھوئے (بخاری ج ۱ ص ۲۶)

☆...... پروفیسر صاحب کی غلط فہمی ......☆

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ شوکانی نے نووی کا قول درج کیا ہے کہ وضوء میں اختلاف ہے مگر حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ کے نزدیک وضوء میں پاؤں کا مسح واجب ہے (ص ۵۲) پروفیسر صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے یہ قول امام نوویؒ کا نہیں بلکہ علامہ ابن حجرؒ کا شوکانی نے نقل کیا ہے جس کے ساتھ یہ الفاظ بھی ہیں " وقد ثبت عنهم الرجوع عن ذالک (نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۸۵۔ اور ان حضرات سے مسح والے نظریہ سے رجوع ثابت ہے۔

☆...... سولھواں مسئلہ۔ توثیق صحابہؓ ......☆

پروفیسر صاحب نے حضرت ابن عباسؓ، حضرت تمیم بن زیدؓ۔ حضرت عباد

بن تمیم اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ کی توثیق نقل کی ہے ہم پروفیسر صاحب کی معلومات کے لئے عرض کرتے ہیں کہ اہل سنت ''الصحابة کلھم عدول '' کا نظریہ رکھتے ہیں کہ صحابہ سارے کے سارے عادل ہیں۔ اور اہل سنت تو صحابہؓ کے دین اخلاق یا جسم کسی بھی لحاظ سے طعن کرنے والے کو لعنتی سمجھتے ہیں اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''من سبھم فعلیه لعنة اللہ والملائکة والناس اجمعین (مستدرک ج ۳ ص ۶۳۲) جو ان صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع کرے اس پر اللہ تعالی اور فرشتوں اور سب انسانوں کی لعنت ہو۔ اور اہل سنت کے نزدیک حضور ﷺ کے ساتھ کے لیے صحابہ کرامؓ کا انتخاب من جانب اللہ ہے اس لئے حضرات محدثین کرامؒ جرح و تعدیل کے قانون سے حضرات صحابہ کرامؓ کو بالا سمجھتے ہیں۔

☆......حضرت انس بن مالکؓ......☆

پروفیسر صاحب نے پاؤں پر مسح کا نظریہ رکھنے والوں میں حضرت انسؓ کا ذکر بھی کیا ہے مگر ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں '' کہ حضرت انسؓ کے ہاں پاؤں کے مسح کا وہ مفہوم نہیں جو سر کے مسح کا ہے'' اور حضرت انسؓ سے پاؤں دھونے کی روایات بھی ہیں ''ایک روایت میں ہے فاذا غسلت رجلیک انتثرت الذنوب من اظفار قدمیک (کنز العمال ج۹ ص ۱۷۶) کہ جب تو پاؤں دھوئے گا تو تیرے پاؤں کے ناخنوں سے گناہ جھڑ جائیں گے۔ پھر پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت انسؓ کا فتوی ہے نزل القران بالمسح (ص ۶۱) قرآن تو پاؤں کے مسح کا حکم لیکر نازل ہوا۔

پروفیسر صاحب پر افسوس ہے کہ ان کو بات تو مکمل نقل کرنی چاہیے تھی (''حضرت انسؓ نے صرف یہ نہیں فرمایا کہ نزل القرآن بالمسح بلکہ ساتھ یہ بھی فرمایا ہے '' والسنة بالغسل '' (درمنثور ص ۲۶۲ ج ۲۔ تفسیر طبری ج ۶، ص ۱۲۸) اور سنت پاؤں دھونے کی ہے یعنی قرآن کریم کے الفاظ میں تو پاؤں کا مسح ہے مگر سنت میں اسکی تعبیر دھونے کے ساتھ ملتی ہے)

☆......تمیم بن زید......☆

پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ شوکانی نے طبرانی کی معجم کبیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ "عباد بن تمیم انصاری اپنے والد تمیم بن زید انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضوء میں پاؤں کا مسح کرتے ہوئے دیکھا(ص ۵۵)

ہماری پروفیسر صاحب سے گذارش ہے کہ قاضی شوکانیؒ نے صرف یہ روایت ہی نقل نہیں بلکہ اس روایت کا ضعیف ہونا ابوعمر سے نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو نیل الاوطار ج ا ص ۱۸۶)

پروفیسر صاحب نے ایک اور روایت کنز العمال کے حوالہ سے نقل کی مگر اس پر خود ہی جرح کردی کہ ہمارے نزدیک اسمیں لفظ لحیہ یعنی ڈاڑھی کا اضافہ ہے۔(ص ۵۵)
پھر پروفیسر صاحب نے مسند احمد سے ایک روایت نقل کی کہ "عباد بن تمیم المازنی" کی روایت میں ہے کہ میرے والد تمیم فرماتے ہیں کہ میں نے حضورﷺ کو وضوء کرتے دیکھا تو آپ "یمسح الماء علی رجلیه" پانی سے اپنے پاؤں کا مسح کررہے تھے (ص ۵۶) اس روایت میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ وضوء طہارت کی حالت میں ہو اور طہارت کی حالت میں کیئے جانے والے وضوء میں چہرہ اور پاؤں کے مسح میں کسی کو اختلاف نہیں جیسا کہ پہلے باحوالہ گزرچکا ہے اور یہ اس روایت میں یہ احتمال بھی ہے کہ یمسح کا معنی بہانا ہو اسی لئے تو فرمایا یمسح الماء پانی کا مسح کررہے تھے۔اور اگر مسح مراد ہوتا تو پھر یوں ہوتا "یمسح بیده علی رجلیه" جب اس میں احتمالات ہیں تو پروفیسر صاحب اس کو اپنے حق میں دلیل نہیں بنا سکتے۔

☆......حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ......☆

پروفیسر صاحب نے ان کی روایت ابن ابی شیبہ سے نقل کی ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب وضوء کرتے تو تین مرتبہ منہ دھوتے اور آگے ہے کہ پھر دو مرتبہ اپنے سر کا اور پاؤں کا مسح فرمایا کرتے تھے (ص ۵۷)

حضرت عبداللہ بن زیدؓ کی واضح اور صریح روایت بخاری شریف میں موجود ہے جس میں ہے "ثم غسل رجلیه الی الکعبین (بخاری ج ۱ ص ۳۱۔ کنز العمال ج ۹ ص ۲۶۹) پھر اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوئے۔ لہذا اس صحیح روایت کے خلاف جو روایت پائی جاتی ہے اس کی مناسب تاویل کی جائے گی یا اس کو مرجوح قرار دیا جائیگا اور یہ صحیح روایت راجح اور قابل عمل ہوگی۔

☆......حضرت اوس بن ابی اوسؓ......☆

پروفیسر صاحب نے ان کی روایت کنز العمال اور تفسیر طبری کے حوالہ سے نقل کی ہے جس میں ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے ایک دفعہ طائف میں وضو کیا" ومسح علی قدمیه "اور آپ نے اپنے پاؤں پر مسح کیا (ص ۵۷) اس کے جواب میں امام طبری نے فرمایا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ وضوء طہارت کی حالت میں ہو (تفسیر طبری ج ۶ ص ۱۳۴) پھر اس روایت کی سند "ھشیم عن یعلی بن عطاء عن ابیه" ہے قاضی شوکانی ابن القطان سے نقل کرتے ہیں کہ عطاء مجہول ہے نیز قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ ھشیم کے بارہ میں امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ اس نے یہ روایت یعلی سے نہیں سنی جبکہ ھشیم مدلس بھی ہے اور امام ابن عبداللہ نے فرمایا کہ اوس بن ابی اوس سے مسح علی القدمین کی جو احادیث ہیں ان کی اسناد کمزور ہیں (نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۹۶)

☆......حضرت رفاعہ بن رافعؓ......☆

پروفیسر صاحب نے ان کی روایت تفسیر قرطبی، مستدرک اور کنز العمال وغیرہ سے نقل کی ہے کہ ایک آدمی کو حضورؐ نے وضوء کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ میں سے کسی کی نماز درست اور کامل نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ حکم خدا کے مطابق وضوء نہ کرے پس وضوء میں اپنے چہرے اور دونوں بازوں کو دھوئے اور اپنے سر کے بعض حصے اور دونوں پاؤں کا ٹخنوں تک مسح کرے (ص ۵۹)

اس روایت کے بارہ میں قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ اگر یہ روایت صحیح ثابت

بھی ہو جائے تو ان صحیح روایات کے مقابلہ میں اس کا اعتبار نہیں ہو سکتا جو وضوء میں پاؤں دھونے سے متعلق پہلے بیان ہو چکی ہیں اس لئے اس روایت کے الفاظ کی مناسب تاویل کی جائیگی (نیل الاوطار ج۱ ص ۱۸۶) اور پھر حضرت رفاعہ بن رافع سے ایک روایت میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں "ویمسح براسہ ویغسل براسه ویغسل رجلیه (احکام القرآن للجصاص ج۲ ص ۳۳۶) اور اپنے سر کا مسح کرے اور اپنے پاؤں دھوئے)

☆......خلاصۂ بحث......☆

الغرض پروفیسر صاحب نے جتنی روایات بھی پاؤں پر مسح کی نقل کر کے اہل سنت کے طریقہ وضوء پر اعتراض کیا ہے ان میں کوئی روایت بھی ایسی نہیں جو صحیح روایات کے مقابلہ میں پیش کی جاسکے۔

☆......سترھواں مسئلہ۔ تابعین کا وضوء......☆

پروفیسر غلام صابر صاحب نے تابعین کا وضوء کا عنوان قائم کیا پھر حضرت عکرمہ کا عنوان قائم کر کے لکھا کہ ایک ساتھی نے بتایا کہ میں نے عکرمہ کو وضوء میں پاؤں دھوتے نہیں دیکھا بلکہ وہ پاؤں پر مسح کیا کرتے تھے (ص ۶۴)

پروفیسر صاحب کو دلیل پیش کرتے وقت پہلے عکرمہ کے ساتھی کا تعین تو کرنا چاہیے تھا کہ وہ کون تھا۔ جب اس کا کوئی اتہ پتہ ہی نہیں تو عقل کی دنیا میں ایسی روایت کون قبول کر سکتا ہے؟ پھر صحیح سند کے ساتھ روایت ہے کہ حضرت عکرمہ نے حضرت عباسؓ سے روایت کی کہ انھوں نے "ارجُلکم لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا اور فرمایا عادالامر الی الغسل (تفسیر طبری ج۶ ص ۱۲۷) یعنی پہلے دھوئے جانے والے اعضاء کا ذکر تھا پھر درمیان میں سر کا مسح آگیا اور پھر دھوئے جانے کا معاملہ آگیا۔
جب یہ واضح روایت ان سے موجود ہے تو باقی روایات کو اس کے تابع ہی رکھا جائیگا اور اس کے مطابق ان کی مناسب توجیہ کی جائیگی۔

☆......شعبیؒ......☆

پروفیسر صاحب نے شعبی کا عنوان قائم کیا اور پھر لکھا کہ جنہوں نے ارجلکم کو لام [illegible] زیر سے پڑھا ہے ان میں شعبی کا نام موجود ہے اور یہ سب حضرات پاؤں کے مسح کے قائل تھے (ص ٦٦) پروفیسر صاحب کو امام شعبی کا یہ فرمان بھی ملحوظ رکھنا چاہئے تھا جو انہوں نے فرمایا ”نزل القرآن بالمسح وجرت السنة بالغسل (درمنثور ج ۲ ص ۱۲ [illegible] کنز العمال ج ۹ ص ۲۵۷) کہ قرآن کریم کا نزول مسح کے ساتھ ہے اور سنت دھونے کی جاری ہے یعنی قرآن کریم میں قرأت کے لحاظ سے اسکو وامسحوا کے تحت رکھیں گے مگر عمل کے لحاظ سے پاؤں دھونے پر عمل ہوگا اس لئے کہ اس کی تفسیر عملی طور پر حضور علیہ السلام سے پاؤں دھونے کے ساتھ ہی منقول ہے۔ باقی رہا پروفیسر صاحب کا امام شعبیؒ کا یہ فرمان کہ انھوں نے فرمایا کہ جبرئیل مسح قدمین کا حکم لے کر نازل ہوئے (ص ٦٧) تو جب امام شعبیؒ نے ارجلِکم کی قراءت کو ترجیح دی ہے تو ایسا کہنے کا ان کو حق ہے اور جب دونوں قرائتیں درست ہیں اور خود پروفیسر صاحب نے بھی اس کا اقرار کیا ہے تو قرآن کریم کا اس بارہ میں نزول دونوں قراءتوں کے ساتھ ہی ماننا پڑے گا۔

☆......قتادہؒ......☆

پروفیسر صاحب نے قتادہ کے بارہ میں لکھا کہ قتادہ نے وضوء کی آیت کی تفسیر میں فرمایا ”افترض اللہ غسلتین ومسحتین“ کہ اللہ تعالی نے دو اعضاء کا غسل اور دو اعضاء کا مسح فرض کیا ہے (ص ٦٨) حضرت قتادہ کا یہ فرمان بھی قراءت کے بارہ میں ہے کہ قراءت میں دو اعضاء کا دھونا اور دو کا مسح فرض قرار دیا ہے اس لئے کہ عمل کے بارہ میں انکی روایت اسطرح موجود ہے ”عن قتادة ان ابن مسعود قال رجع قوله الی غسل القدمین فی قوله وارجلکم الی الکعبین (تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲٦۲) حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ بے شک حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا

کہ "وارجلکم الی الکعبین" میں حکم پھر دھونے کی طرف لوٹ گیا یعنی درمیان میں سر کے مسح کا ذکر ہوا اور پھر پاؤں کے دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔

☆......علقمہؒ......☆

پروفیسر صاحب بعض دیگر حضرات کے ساتھ علقمہ کا نام ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ یہ حضرات بھی وضوء میں بحکم قرآن مسح قدمین کے قائل تھے (ص ۶۹) قراءت کے لحاظ سے ضرور قائل تھے مگر عمل کے لحاظ سے نہیں اس لئے کہ طہارت کے لئے کیے گئے وضوء میں ان میں سے کسی سے بھی صحیح روایت کے ساتھ پاؤں پر مسح کرنا ثابت نہیں ہے "هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین"

اس کے بعد پروفیسر صاحب نے مجاہدؒ، اعمشؒ اور ضحاک کا عنوان قائم کر کے لکھا کہ یہ حضرات بھی ارجلِکم میں لام کو کسرہ کے ساتھ پڑھتے تھے (ص ۷۰ تا ۷۲) قرأت کے لحاظ سے پڑھتے تھے مگر پاؤں پر سر کے مسح کی طرح کوئی بھی قائل نہ تھا۔

☆......جبرئیل اور وضوء......☆

پروفیسر صاحب یہ عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ خصائص کبریٰ میں ہے کہ جبرئیل امین نے ایک چشمہ سے وضوء کیا پہلے اپنے چہرے اور بازوؤں کو دھویا اور پھر سر اور پاؤں کا مسح ٹخنوں تک کیا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح وضو کیا (ص ۷۳)

اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو جائے تو اس کو اس حالت پر محمول کیا جائیگا کہ پہلے سے طاہر تھے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر طہارت کے لئے جو وضوء کیا اس میں پاؤں کو دھویا ہے اور حضرت زید بن حارثہؓ کی روایت میں ہے "ان جبرائیل اتاه فی اول ما اوحی الیه فاراه الوضوء والصلوة" (دارقطنی ج ۱ ص ۱۴۱) کہ ابتداء میں جب حضرت جبرائیل وحی لیکر آئے تو انھوں نے آپ ﷺ کو وضوء کر کے اور نماز پڑھ کر دکھایا اور حضور علیہ السلام کا عمر بھر پاؤں دھونے کے ساتھ وضوء

کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پاؤں دھو کر ہی وضوء کیا تھا، نہ آپ اس کے خلاف نہ کرتے۔

☆......ابو مالک اشعریؓ......☆

پروفیسر صاحب نے یہ عنوان قائم کر کے اس کے تحت لکھا کہ ابو مالک نے پانی کا ایک لگن منگوایا تاکہ وضوء کریں پہلے آپ نے کلی کی ناک میں پانی ڈالا پھر تین مرتبہ چہرے اور بازوؤں کو دھویا اور سر اور پاؤں کے اوپر کے حصے کا مسح کیا (ص ۷۳) اس روایت کو پروفیسر صاحب پاؤں کے مسح کی دلیل بنانا چاہتے ہیں مگر حضرت ابو مالک کے وضوء کر کے دکھانے کا انداز بتاتا ہے کہ انھوں نے حاکم وقت کی شدت کے جواب میں ایسا وضوء کیا، ہوسکتا ہے کہ حاکم وقت کسی صورت بھی پاؤں پر مسح کو پسند نہ کرتا ہو حالانکہ اگر وضوء طہارت کی حالت میں کیا جائے تو چہرے ہاتھوں اور پاؤں کے مسح پر اکتفا سب کے نزدیک درست ہے تو حاکم وقت نے شدت کی تو اس شدت کے جواب میں انھوں نے ایسا وضوء کیا اور طہارت کی حالت میں کیا ہوتا کہ واضح کر دیں کہ اس حالت میں پاؤں پر مسح بھی کیا جاسکتا ہے حاکم وقت خواہ مخواہ شدت کرتا ہے۔

پھر پروفیسر صاحب کو غور کرنا چاہئے کہ اس روایت میں ہے کہ انہوں نے تین مرتبہ چہرے اور بازوؤں کو دھویا جبکہ پروفیسر صاحب اور ان کے طبقہ کے ہاں تو تیسری مرتبہ دھونا حرام ہے۔ جب حضرت ابو مالک نے بزعم شیعہ حرام کا ارتکاب کیا تو اس کے عمل کو کیسے وہ دلیل بنا سکتے ہیں؟

☆......اٹھارواں مسئلہ۔ تیمّم کی وجہ سے اہل سنت پر اعتراض......☆

پروفیسر صاحب نے لکھا جس خلاصہ یہ ہے کہ پاؤں کا وضو میں دھونا ضروری نہیں بلکہ ان کا مسح ہے اس لئے کہ تیمم میں جن اعضاء کو دھویا جاتا ہے ان پر مسح ہے اور جن کو نہیں دھویا جاتا ان پر مسح نہیں۔ جب پاؤں پر تیمّم میں مسح نہیں تو معلوم ہوا کہ وضوء میں ان کا دھونا نہیں بلکہ ان کا مسح ہے۔ الخ

جواب...... ☆ یہ اعتراض کوئی وقعت نہیں رکھتا اس لئے کہ وضوء کے قائم مقام جو تیمّم کیا جاتا ہے وہی تیمّم غسل جنابت کے قائم مقام بھی کیا جاتا ہے تو کیا یہ کہا جائے کہ غسل جنابت میں صرف ہاتھ اور منہ کا دھونا ضروری ہے اس لئے کہ تیمّم میں صرف ان کا مسح ہے اور باقی جسم کا دھونا ضروری نہیں اس لئے کہ تیمم میں ان کا مسح نہیں اور ایسا نظریہ تو کسی کا نہیں اس لیے تیمّم میں اعضاء کے ساقط کرنے کو وضوء میں مسح کرنے کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

☆......شیعہ کتب سے ☆

شیعہ حضرات کو تو یہ اعتراض کرنا ہی نہیں چاہیے اور نہ ہی تیمّم میں ساقط اعضاء کو وضوء میں مسح کرنے کی دلیل بنانا چاہیے اس لئے کہ ان کے نزدیک تو تیمّم میں چہرے کے صرف پیشانی اور آنکھوں تک کے حصہ پر مسح ہے باقی حصہ پر نہیں جیسا کہ ان کی کتابوں میں ہے چنانچہ حافظ بشیر حسین نجفی لکھتے ہیں اس مقام سے جہاں سر کے بال اگتے ہیں بھنوؤں اور ناک کے اوپر تک ساری پیشانی اور اس کے دونوں طرف ہتھیلیوں کا پھیرنا اور احتیاطاً چاہیے کہ ہاتھ بھنوؤں پر بھی پھیرے جائیں (توضیح المسائل ص ۱۸۵) اور خمینی صاحب نے بھی یہی طریقہ لکھا (توضیح المسائل مترجم ص ۱۱۳) (اور ایک روایت میں ہے "لان عندنا ان المسح یجب فی التیمم ببعض الوجه وهو الجبهة والحاجبان ۔تهذیب الاحکام ص ۶۱) کہ تیمّم میں ہمارے نزدیک صرف پیشانی اور ابروؤں کا مسح ہے اور یہی طریقہ شیعہ حضرات کی دیگر کتب میں ہے ۔ اگر یہ نظریہ ہے کہ جن اعضاء پر تیمم میں مسح نہیں تو وضوء میں ان کا دھونا ضروری نہیں تو شیعہ حضرات کے لئے ضروری ہے کہ وہ غسل جنابت میں چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ باقی جسم کو دھونا ضروری نہ قرار دیں اسی طرح وہ وضوء میں چہرہ دھوتے وقت آنکھوں سے نیچے والے حصہ کو دھونا ضروری نہ سمجھیں اس لئے کہ یہ حصہ تو ان کے نزدیک تیمّم میں ساقط ہو جاتا ہے۔

☆......انیسواں مسئلہ۔ وضوء میں ترتیب......☆

پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ اگر وضوء کے اعمال کی مندرجہ بالا ترتیب نہ رہے تو وضوء باطل ہو جاتا ہے (ص ۱۹) اس کے برخلاف جمہور اہل سنت کے نزدیک وضوء کے فرائض میں ترتیب کا لحاظ رکھنا سنت یا مستحب ہے۔ اگر ترتیب کا لحاظ نہ رکھا تو ثواب میں تو کمی ہو گی مگر وضوء باطل نہیں ہوتا۔ اسی کے مطابق ایک روایت ہے "وقد کان الامام علی بن ابی طالب یقول لاابالی بای اعضاء الوضوء بدأت (میزان الکبری ج ۱ ص ۱۲۸) کہ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ وضوء کے جس عضو سے شروع کروں۔

☆......بیسواں مسئلہ۔ موالات......☆

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں: موالات یعنی وضوء کے اعمال کو اس طرح پے در پے کیا جائے کہ ان میں فاصلہ نہ رہے۔ اگر وضوء کے کاموں میں اس قدر فاصلہ ہو جائے کہ جس وقت کسی مقام کو دھویا جائے یا مسح کیا جائے کہ دھونے یا مسح کرنے کے بعد ان مقامات کی تری خشک ہو جائے تو وضوء باطل ہے (ص ۱۹) اس کے برخلاف جمہور اہل سنت کے نزدیک وضوء میں موالات سنت ہے اس پر عمل سے ثواب ہو گا مگر اس کے ترک سے وضوء باطل نہیں ہوتا بشرطیکہ درمیان میں وضوء کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول نہ ہو جائے۔

☆......شیعہ کتب سے......☆

شیعہ کتب میں بھی یہی نظریہ ملتا ہے کہ وضوء باطل نہیں ہوتا جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ حریز سے وضوء کے بارہ میں پوچھا "فان جف الاول قبل ان اغسل الذی یلیہ" پس اگر آگے والے عضو سے پہلا عضو خشک ہو جائے تو کیا کریں تو کہا جف اولم یجف اغسل مابقی (تھذیب الاحکام ج ۱ ص ۸۸ الاستبصار ج ۱ ص ۷۲) کہ خواہ خشک ہو یا نہ ہو باقی اعضاء کو دھولے۔

اس لئے پروفیسر صاحب کا اس حالت میں وضو کو باطل قرار دینا بالکل غلط ہے۔

☆......آخر میں گذارش......☆

بفضلہٖ تعالیٰ ہم نے علماء اہلسنت ک جانب سے فرض کفایہ ادا کرتے ہوئے اپنی ہمت کے مطابق وضوء کے مسنون طریقہ پر کئے گئے اعتراضات کے مدلل جوابات دیئے ہیں۔

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں اس کو شرف قبولیت سے نوازے اور غلط فہمی کا شکار لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔

آمین یا اله العالمین

وصلی الله تعالی علی خیر خلقه محمد و آله واصحابه واتباعه اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین .

☆......حافظ عبدالقدوس قارن......☆

مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۲۲ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ بمطابق ۸ ستمبر ۲۰۰۴ء

شیعہ پروفیسر غلام صابر کی کتاب وضوء رسول کا مدلل جواب

وضوء کا مسنون طریقہ

تفاسیر و احادیث اور کتب شیعہ کی روشنی میں

حافظ عبدالقدوس خان قارن

کتاب کے کچھ صفحات حاصل نہیں ہو سکے اگر کسی کے پاس ہوں تو ہمیں ای میل کر دیں۔

شکریہ